رو بال پستکالیہ — 5

ہماری ندیوں کی کہانی

(حصہ اوّل)

مصنّف لیلا مجمدار
مصوّر پتس دتہ

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
نئی دہلی

نومبر 1970 کارتک 1892

قیمت 1.50

THE STORY OF OUR RIVERS (*Urdu*)

Translated by
RAZIA SAJJAD ZABEER

سیکرٹری نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، اے-۵ گرین پارک نئی دہلی ۱۶ نے اندر پرستھا پریس (سی-بی-ٹی-) نہرو ہاؤس ۴-بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی ۱ میں چھپوا کر شایع کیا۔

1 - گنگا روانہ ہوتی ہے

کہتے ہیں گنگا آسمان سے زمین پر آئی ہے، مگر کیسے؟ اس کی ایک دلچسپ کہانی کہی جاتی ہے!۔

قدیم زمانے میں ایک بادشاہ تھا جس نے ایک شاندار رسم ادا کی، اس رسم کو "اشومیدھ یگیہ" کہتے تھے اور یہ ایسے ہوتی تھی کہ کوئی بھی بادشاہ ایک عمدہ گھوڑا آزاد چھوڑ دیتا تھا کہ جہاں چاہے گھومے، اگر کوئی اس گھوڑے کو پکڑ لیتا یا روک لیتا تو پھر اسے گھوڑے کے پہرہ داروں جنگجویوں سے لڑنا پڑتا۔ اگر گھوڑے کو کوئی نہ پکڑتا اور وہ واپس آجاتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ جس بادشاہ نے اسے چھوڑا تھا اس کو سب بادشاہ مان لیتے تھے۔ جب ساگر نامی بادشاہ نے اپنا گھوڑا چھوڑا تو آسمان کا بادشاہ اندر بھی تھرا اٹھا کہ کہیں وہ اپنے آسمانی تخت سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے اور لوگ ساگر کو اندر سے بڑا بادشاہ نہ مان لیں۔

اس لئے اس رسم کے پورے ہونے میں رکاوٹ ڈالنے کے واسطے، اندر نے گھوڑے کو پکڑ کر، سمندر کے کنارے، رشی کپل کے آشرم کے پیچھے باندھ دیا، یہی وہ جگہ تھی جو اب گنگا ساگر کہلاتی ہے، جہاں گنگا سمندر میں گرتی ہے، صدیوں سے یہ مقام یاترا کی جگہ رہا ہے۔

اچھا، اب ادھر کی سنو۔ جب گھوڑا نہیں ملا تو ساگر بادشاہ کے ساٹھ ہزار بیٹے

اُسے ڈھونڈنے نکلے، گھوڑا جوان کو کپل کے آشرم کے پیچھے ملا تو وہ یہ سمجھے کہ رشی نے ہی گھوڑے کو پکڑا ہے چنانچہ وہ رشی کو گالیاں دینے اور بُرا بھلا کہنے لگے، رشی دھیان میں کھوئے بیٹھے تھے، ان لوگوں کی بدتمیزی کی اونچی اونچی آوازوں سے اُن کا دھیان ٹوٹ گیا انھوں نے غصّے میں ایک آنکھ کھول دی، اور ان بہکے ہوتے شہزادوں پر جیسے ہی ان کی نگاہ پڑی، سب راکھ ہو گئے۔

ساگر نے یہ دکھ بھری خبر سُنی تو غم میں ڈوب گیا، پھر ساگر کا پوتا انشومان فوراً رشی کے آشرم پہونچا اور ان کے پاؤں پکڑ کر بڑی منت سماجت کی، رشی راضی ہو گئے اور انشومان کو دو مانگیں پوری کرنے کا وعدہ کر لیا۔ انشومان نے پہلے گھوڑا واپس مانگا پھر شہزادوں کے جی اٹھنے کی مانگ کی۔

کپل رشی نے گھوڑا تو اسی وقت واپس کر دیا مگر انشومان سے کہا کہ ابھی شہزادوں کے چھوٹنے کا وقت نہیں آیا ہے، جب وقت آئے گا تو انشومان کا ہی پوتا، سب سے بڑے دیوتا، برہما سے دعا کرے گا اور پھر برہما گنگا کے پانی کو آزاد کر دیں گے جسے انہوں نے اپنے کمنڈل میں قید کر رکھا ہے — اور پھر جیسے ہی گنگا کا پاک پانی مرے ہوئے شہزادوں کی راکھ پر سے گذرے گا، ویسے ہی وہ جی اُٹھیں گے۔

جب یگیہ ختم ہو گیا تو ساگر نے اپنی سلطنت انشومان کو دیدی اور خود سادھو ہو گیا انشومان کے بعد اس کا بیٹا دلیپ بادشاہ ہوا اور اس نے بھی برہما کو خوش کرنے کی بہت کوشش کی، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، دلیپ کے بعد بھاگیرتھ تخت پر بیٹھا۔

بھاگیرتھ نے اپنے سے پہلے ہونے والی کوششوں کی ناکامیابی پر بھی ہمت نہ ہاری اور قسم کھائی کہ اپنے بزرگوں کو بدنصیبی کے اس چکر سے آزاد کرائے گا، چنانچہ اس نے اپنا

آگے آگے بھگیرتھ شنکھ بجاتے ہوئے چلے اور پیچھے پیچھے ناچتی کودتی گنگا

گھر بار چھوڑ دیا، ہمالیہ کی برفیلی چوٹیوں پر چڑھا اور سچے دل سے اتنی عبادت کی، اتنی عبادت کی کہ برہما کا دل پگھل گیا اور انہوں نے گنگا کو آزاد کر دیا۔

مگر ابھی پورا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا، گنگا کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا پانی اس زور سے نیچے چلا کہ اپنے ساتھ زندگی اور زمین کی سب چیزیں بہاتا لے چلا، وہ تو کہو شیوجی کو لوگوں پر رحم آگیا اور انہوں نے گنگا کو اپنی جٹاؤں میں الجھالیا —— مگر اب گنگا شیوجی کی جٹاؤں میں الجھ کر وہاں قید ہوگئی۔ بھاگیرتھ نے پھر عبادت کرنی شروع کر دی، شیوجی کی خوب منت سماجت کی تب کہیں جاکر انھوں نے گنگا کو چھوڑا۔

پھر گنگا کے بہت سے جھرنے بن گئے، اور وہ نیچے اترنے لگی، آگے آگے پورب کی طرف چلتے ہوئے بھاگیرتھ جی —— اپنا بڑا سا سنکھ بجاتے ہوئے اور پیچھے پیچھے گنگا، پہاڑی ڈھلوانوں سے اترتی، گنگناتی، ناچتی اٹھکیلیاں کرتی!۔

ویسے ابھی رستے میں اور مشکلیں باقی تھیں، بیچ میں ایک سادھو مہاراج سمادھی لگائے بیٹھے عبادت اور دھیان کر رہے تھے، ان کا نام جہنو تھا۔ گنگا جو اپنے الھڑپنے میں بہتی، دوڑتی گذری تو اس کی لہروں میں سادھو مہاراج کے سارے برتن بہہ گئے! ان کو اتنا غصہ آیا کہ وہ سارا دریا چوس گئے ایک بوند بھی نہیں چھوڑی!۔

بھاگیرتھ نے پھر عبادت شروع کی اور سادھو جی کی اتنی منتیں کیں کہ آخر ان کا غصہ ٹھنڈا پڑا اور انہوں نے گنگا کو چھوڑ دیا۔ اسی لئے گنگا کا ایک نام جہانوی بھی ہے!

آخر کار گنگا سمندر کے کنارے پہنچی اور پھر یہ زوردار ندی کود کر سمندر میں اتر گئی پانی کے نیچے کی دنیا پر جب گنگا بہنے لگی تو سادھو کی بددعا ٹوٹ گئی اور ساگر کے بدنصیب بیٹے جی اٹھے۔ (جس جگہ گنگا سمندر میں اترتی تھی اس کو گنگا ساگر کہتے ہیں

گنگا ساگر کا ایک نظارا

آج تک ماگھ کے مہینے میں (جنوری کے درمیان) ہزاروں یاتری وہاں نہانے آتے ہیں۔

اونچے پہاڑوں میں سفر کرنے والوں کو بہت سے عجیب وغریب اور خوبصورت مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ عظیم الشان ہمالیہ کی اونچائیوں پر ایک جگہ ایسا لگتا ہے جیسے پہاڑوں نے الگ ہٹ کر ایک وادی سی بنادی ہو جو کوئی ڈیڑھ کلومیٹر چوڑی ہے۔ اس کے چاروں طرف برف سے ڈھکی چوٹیاں ہیں جن کے الگ الگ نام ہیں۔ بھریگو پنتھ، میرو پربت، شیوالنگ وغیرہ۔

یہاں کوئی نہیں رہتا، نہ یہاں اونچے اونچے پیڑ ہیں نہ چڑیوں کی چہکار سنائی دیتی ہے، بس جب موسم اجازت دیتا ہے تو کچھ یاتری ہوتے ہیں جو بڑی مشکلیں

گنگوتری کا مندر

یہ گئو مکھ ہے — یہیں سے گنگا پھوٹتی ہے۔ گئو مکھ کے معنی ہیں گائے کا منہ یا دھرتی کا منہ، کیونکہ 'گو' کے معنی دھرتی بھی ہیں۔ اس اندھیری کھوہ کا منہ سچ مچ گائے کے منہ کی طرح ہے، اوپر برف نکلی ہوئی جیسے اوپری ہونٹ، اور پیچھے برف کی دو لمبی لمبی اونچی چوٹیاں، جیسے کان — اس سے گدلا پانی اُبلتا ہوا نکلتا رہتا ہے۔

اس کھوہ کی اونچائی کوئی سو میٹر اور چوڑائی ۳۳ میٹر ہوگی، کناروں پر سے برف کے بڑے بڑے ٹکڑے، ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے اور پانی کے دھارے میں مل کر نیچے، ریتلی وادی کی طرف بہتے رہتے ہیں، دو طرفہ ڈھلوانوں پر برف پگھلتی ہے تو ننھی ننھی ندیاں بن جاتی ہیں جو لڑھکتی پُڑھکتی گنگا میں جا ملتی ہیں، چھوٹا سا دھارا بڑا ہوتا جاتا ہے، جہاں

اٹھا کر یہاں پہونچتے ہیں اور ریچھ کے پاؤں اور پنجوں کے نشان دیکھ کر چونک چونک پڑتے ہیں۔

چٹانوں کے کیا خوبصورت رنگ، اُن کی دراڑوں سے لٹکتی ہوئی پتلی پتلی برف کی پھول دار، نازک جھالریں، جن میں سورج کی شفاف روشنی کا کپاسی رنگ جھلکتا ہے، سمندر کی سطح سے ۳۹۰۰ میٹر کی بلندی، غضب کی سردی! مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن یاتریوں کے دل کو لگی ہوتی ہے انہیں یہ جاڑا محسوس تک نہیں ہوتا۔ سخت چڑھائی کی تھکن سے ہانپتے ہوئے، آہستہ آہستہ، احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتے، ایک چٹان سے دوسری پر پاؤں رکھتے، بڑھتے جاتے ہیں — پھر پہاڑ کے ایک گھماؤ کا چکر لگا کر، اور آگے بڑھ کر، سر جھکائے، ہاتھ جوڑے وہ کسی بڑی سی برفیلی گپھا کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں!۔

گومکھ

پانی کا دھارا چٹانوں، پتھروں اور مٹی پر سے ہو کر گذرتا ہے وہاں پانی جھاگ دار اور گدلا ہو جاتا ہے اور کنارے ریتیلے —— یوں گنگا زوروں میں بہتی ہوئی، چرباسہ کے بید اور چیڑ کے جنگلوں میں پہونچ جاتی ہے۔

پرانے زمانے میں لوگ یہ مانتے تھے کہ ہمالیہ کی چوٹی پر بھگوانوں کا گھر ہے اس لئے جو ندیاں پہاڑوں سے بہہ کر آئیں گی ان کو بھگوان کی دعاؤں کی برکت ہوگی اور وہ پاک ہوں گی — ان ندیوں میں گنگا سب سے زیادہ پاک مانی جاتی ہے۔

ویسے ندی کا راستہ ہمیشہ ہی پہاڑ کے اتار پر سے ہوتا ہے۔ گنگوتری کا راستہ اٹھائیس کلومیٹر اور بہت ہی سنسان ہے۔ نہ آبادی ہے، نہ مکان نہ دوکانیں۔ بس سڑک کے کنارے پتھروں اور روڑوں کے چھوٹے چھوٹے ڈھیر یہ پتہ دیتے ہیں کہ آگے جانے والے یاتری کس رستے سے گئے ہیں۔

پانی کے پاس یاترا کی ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ گنگوتری! گنگناتی، پھنکارتی، ناچتی ندی اس کے پاس سے گذرتی ہے، بہاؤ کی تہہ میں چٹانیں ہیں، پتھر ہیں — اوپر سے گدلا، یخ پانی چھینٹیں اڑاتا، قل قل کرتا بہتا جاتا ہے۔

اب وہ سنسان سناٹا ختم ہوا، اونچے اونچے خوبصورت درخت شروع ہو گئے، کہیں کہیں چشمے پر کوئی چھوٹا سا لکڑی کا پل، پانی کے ایک کنارے پر دیوار کے کنج میں سادھوؤں کی کچھ اکیلی کٹیائیں ایک چھوٹا سا مندر، ضروری چیزوں کی دو چار دوکانیں، دوسری کنارے پر کئی کاٹجوں کا ایک جھنڈ —! یہ جگہ سطح سمندر سے ۳۰۰۰ میٹر اونچی ہے۔ سردی اب بھی بہت ہے!

کئی چھوٹی چھوٹی ندیوں کے مل جانے سے اب گنگا خوب چوڑی اور گہری ہو گئی ہے، بہاؤ بھی تیز ہو گیا ہے۔ اور وہ اونچے اونچے زبردست درختوں اور تنگ گھاٹیوں سے گذر رہی ہے، سینکڑوں چشموں کا پانی اپنے اندر سمیٹتی جاتی ہے۔

مندا کنی اور الکا نندا جو کیدارناتھ اور بدری ناتھ کی مشہور تیرتھ گاہوں کے پاس سے نکلتی ہیں، دیو پراگ پر اپنا پانی گنگا میں الٹ دیتی ہیں، جب ندی پہاڑی علاقوں سے نکل کر رشی

لکشمن جھولا

کیش اور ہری دوار آ پہونچتی ہے۔ ہری دوار سے کچھ میل پر لکشمن جھولا ہے۔ یہ بڑی خوبصورت جگہ ہے، گنگا کا صاف ستھرا، ٹھنڈا پانی، چٹانوں اور پتھروں پر سے ہو کر بہتا ہے، چند بہت دلکش مندر ہیں، دریا پر ایک بڑا سا پل ہے۔ لنگور تاک لگائے بیٹھے رہتے ہیں کہ آنے والوں سے کھانے پینے کی چیزیں اچک بھاگیں، پانی میں بڑی بڑی اور ڈھیٹ قسم کی مچھلیاں ہیں۔ جب دیہاتی ناویں، یاتریوں کو اس پار اتارتی ہیں تو یہ مچھلیاں ناؤ کے بالکل پاس آجاتی ہیں، یہاں کوئی ان کا شکار نہیں کر سکتا، لوگ آٹے کی گولیاں پانی میں پھینکتے ہیں، بڑی بڑی مچھلیاں نوالہ ہڑپ کرنے کی کوشش میں ایک دوسرے سے خوب دھکا پیل کرتی ہیں!

جولوگ گنگا کے کنارے بسے ہوئے بڑے بڑے شہروں، کلکتے، بنارس، الہ آباد، کانپور وغیرہ میں رہتے ہیں، وہ تو کبھی پہچان ہی نہیں سکتے کہ لکشمن جھولا اور ہری دوار کا یہ چمکتا ناچتا پانی ہے جو ان کی گنگا ہے، چوڑے، پھیلے پاٹ والی، رسان رسان بہنے والی گنگا ندی ہے۔ کیونکہ لکشمن جھولا اور ہری دوار تک، گنگا ایک پہاڑی ندی ہے۔ پیڑوں سے گھری ہوئی چٹانوں سے بھری ہوئی، جن میں سے ہوکر پانی بڑے مزے میں تیزی سے بہتا رہتا ہے۔

یہاں ہری دوار میں اور دوسری جگہوں، جیسے الہ آباد، بنارس وغیرہ میں، گنگا کا کنارہ صدیوں سے تیرتھ یاترا رہا ہے۔ کئی کئی نہان ہوتے ہیں، جن پر یہاں بڑے چھوٹے میلے لگتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا "پورنا کمبھ میلا" کہلاتا ہے جو بارہ سال میں ایک بار، صرف الہ آباد یا ہری دوار میں لگتا ہے۔ ان کمبھوں کے بیچ میں اردھ کمبھ (آدھ کمبھ) کے میلے لگتے ہیں جو ذرا چھوٹے ہوتے ہیں۔

جیسے ہی کمبھ کے دن قریب آنے لگتے ہیں بے حساب جھونپڑیاں، راؤٹیاں اور خیمے لگنے لگتے ہیں، دیکھتے دیکھتے ایک عجیب وغریب سا نگر آباد ہوجاتا ہے جس میں یہاں آنے والے یاتری ٹھہرتے ہیں بازار میں خوب رونق اور چہل پہل، کھلونے رنگین چوڑیاں، دستکاریاں اور دوسری چیزیں خوب بکتی ہیں، مگر میلہ تو بعد کی بات ہے اصل چیز تو گنگا نہانے کی رسم ہے۔

سنکھ بجتے ہیں، منتر پڑھے جاتے ہیں، ریل پیل ہوتی ہے اور اس سب کے معنی یہ ہیں کہ اب نہان کا وقت ہوگیا، چند ہی منٹوں میں لاکھوں آدمی آہستہ آہستہ دریا کی طرف بڑھنے لگتے ہیں، ان سب کے آگے سادھو سنیاسی لوگ ہوتے ہیں۔ پھر آخر میں لاکھوں انسانوں کا ایک ساتھ پانی میں اترنا ایک ایسا منظر ہوتا ہے جس کا جلال ایک بار دیکھ لو کبھی مدتوں نہیں بھول سکتا۔

اپنے گھر واپس جاتے وقت یاتری لوگ گنگا کے پاک پانی کو برتنوں میں بھر بھر کر گھر لے جاتے ہیں اور ساتھ میں بہت سی اور سوغاتیں جو انہیں اس یادگار میلے کی یاد دلاتی رہتی ہیں۔

2- گنگا — میدانوں میں!

ہری دوار سے نکل کر گنگا اور چوڑی ہوجاتی ہے، زیادہ آہستہ چلنے لگتی ہے، اس میں سے نہریں کاٹ کر اناج کے خشک کھیتوں کو سینچا جاتا ہے، ان نہروں پر نادیں بھی چلتی ہیں۔ اب گنگا سہارن پور، میرٹھ، علی گڑھ کو پیچھے چھوڑتی ہوئی ضلع فرخ آباد پہونچتی ہے اور یہاں رام گنگا اس میں آملتی ہے۔

یہاں گنگا بہت چوڑی دریا ہے جس میں گہرے تال، پھیلے جوہڑ، اور تیز دھارے، سبھی کچھ ہیں۔

الٰہ آباد میں گنگا جمنا سے ملتی ہے۔ ویسے الٰہ آباد جو پریاگ بھی کہلاتا ہے تین دریاؤں کا سنگم ہے — گنگا، جمنا اور سرسوتی۔ سرسوتی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ نیچے بیٹھ گئی ہے دکھائی نہیں دیتی۔ جس جگہ یہ تینوں ملتی ہیں وہ جگہ تروینی یا سنگم کہلاتی اور بہت پاک مانی جاتی ہے۔ یہاں سے گنگا کا پیلا گدلا پانی اور جمنا کا نیلا اور صاف پانی، دور دور تک، الگ الگ دکھائی دیتے ہیں۔

گنگا میں جو ندیاں ملتی ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور جمنا ہی ہے، وہ تیہری گڑھوال کے ضلع میں، یمنوتری سے نکلی ہے۔ یاتری وہاں جاتے رہتے ہیں اور جہاں سے یہ نکلتی ہے وہاں گرم پانی کے کچھ چشمے ہیں جو بہت خوبصورت ہیں۔

پھر جمنا، پہاڑوں پر سے نیچے کو بہتی ہوئی، پہاڑی علاقوں کو چھوڑتی ہوئی، وادیٔ دون میں داخل ہوجاتی ہے جہاں ہمالیہ کی برفیلی چوٹیوں کے سلسلوں کا منظر بڑا ہی شاندار ہے۔ اب

پریاگ میں سنگم کا ایک نظارہ

وہ ڈیڑھ سو کلو میٹر کا راستہ طے کر کے، سیوالک کے پہاڑوں میں سے گذرتی ہوئی، فیض آباد کے پاس پھیلے میدانوں میں اُتر آتی ہے۔

جمنا کے دونوں طرف سے کھیتی باڑی کی سینچائی کے لئے نہریں کاٹی گئی ہیں، کئی بہت بڑے، شان دار اور خوبصورت شہر اس کے کنارے آباد ہیں، ایک تو ہندوستان کی راج دہانی دہلی ہی ہے، پھر متھرا اور بندرا بن ہے جو شری کرشنا کی زندگی سے وابستہ ہیں، آگرہ ہے جہاں تاج محل ہے۔

نیلے شفاف پانی والی جمنا سچ مچ بڑی خوبصورت ندی ہے، اس کے سفر کا راستہ بڑا

دلچسپ ہے، اس کا منبع سطح سمندر سے ۳۲۵۰ میٹر اونچا ہے، اس لمبے راستہ پر کئی جگہ جمنا پر ریل کے پل ہیں۔

گنگا کے کنارے سب سے قدیم شہر وارانسی ہے، جو کاشی بھی کہلاتا ہے اور بنارس بھی، اصل میں یہ شہر دو چھوٹی چھوٹی ندیوں پر ہے جو گنگا میں ملتی ہیں، ایک کا نام ورنا ہے اور دوسری کا آسی۔ اسی لئے یہ شہر وارناسی کہلاتا ہے۔ یہ شہر الٰہ آباد سے زیادہ دور نہیں ہے اور ہندو لوگ یاترا کے لئے اس کو سب سے متبرک جگہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک مانا جاتا ہے کہ اگر کوئی بنارس میں مرجائے تو وہ سیدھا سورگ یعنی جنت کو جائیگا

کشتیوں کا پل

اس سلسلے میں ایک بڑی مزیدار کہانی بھی سنائی جاتی ہے۔

پرانے زمانے میں لوگ کہتے تھے کہ اگر کوئی کاشی میں مرجائے تو شیو اور پاروتی کی دعا سے وہ سیدھا سوَرگ میں جائے گا اور اس کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

ویاس دیو ایک پہنچے ہوئے آدمی تھے مگر تھے بہت مغرور، انہوں نے کاشی کے پاس ایک اور شہر بنایا اور اس کا نام ویاس کاشی رکھا، پھر انہوں نے شیو کی خوب پوجا کی، شیو نے ان سے خوش ہو کر پوچھا کہ کیا چاہتے ہیں، انہوں نے یہ خواہش کی کہ جو کوئی ویاس کاشی میں مرے، وہ بھی سوَرگ یعنی جنت میں جائے! شیو دل کے بڑے سخی تھے مگر بھلکڑ بہت تھے، ان کو اس وقت یہ یاد ہی نہیں رہا کہ یہ صفت تو خالی کاشی میں ہے۔ انہوں نے ویاس کی بات مان لی!

جب ایسا ہو گیا تو پھر کاشی میں جو خاص بات تھی، وہ جاتی رہی، کاشی کے پنڈت سب مل کر درگا کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ کچھ کیجئے۔

اگلے دن ایک بڑھیا پھوس عورت، لڑکھڑاتی، ڈگمگاتی، ویاس کے پاس پہونچی اور بولی "مہاراج، مجھے ذرا یہ بتائیے کہ اگر کوئی یہاں مرجاتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟" ویاس نے اکڑ کے کہا "وہ سیدھا، سوَرگ میں جاتا ہے، بڑی بی" بڑھیا نے یوں پوچھا جیسے اسے اونچا سنائی دیتا ہو "ایں؟ کیا کہا؟"

ویاس نے جھڑک کے جواب دیا "سوَرگ میں جاتا ہے"

بڑھیا قریب کھسک آئی، کہنے لگی "کیا کہا، کیا ہوتا ہے؟" اب ویاس بالکل آپے سے باہر ہو گئے، چلا کے بولے "میں نے کہا گدھا بن جاتا ہے"

"ایسا ہی ہوگا" بڑھیا نے کہا اور غائب ہو گئی! ویاس آنکھیں پھاڑے، منھ

کھولے، تکتے کے تکتے رہ گئے! وہ تو خود درگا تھی۔

اس وقت سے اب تک سینکڑوں ہزاروں آدمی اپنی آخری عمر میں بنارس چلے جاتے ہیں، روکھے سوکھے میں بسر کرتے ہیں۔ البتہ سب کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ آخری عمر میں ویاس کاشی میں نہ رہیں یا اگر ہو سکے تو کم از کم وہاں ہرگز نہ مریں!

بنارس اب تک سنسکرت کے علم کا مرکز ہے، سیاح لوگ اس شہر کو دیکھنے ضرور جاتے ہیں، دریا کے کنارے پتھر کی سیڑھیوں والے گھاٹ، مندر، مسجدیں، جلسائیں گھاٹ، لوگوں کی ریل پیل، چہل پہل، کشتیاں جن پر رنگ برنگی چھتریاں اور مور پنکھیاں وغیرہ لگی ہوتی ہیں، یہ نگر بہت سی پرانی داستانوں اور کہانیوں کا منظر ہے اور تقریباً اتنا ہی پرانا ہے جتنی ہندوستان کی تاریخ۔ بنارس کا ریشم اور زربفت دنیا بھر میں مشہور ہے، کوئی کپڑا، ملائمیت یا نمونے کی خوبصورتی بنارس کی عمدہ، ہاتھ کی بنی ہوئی ساڑی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

جمنا کے علاوہ اور بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیاں گنگا میں، دہنے طرف سے ملتی ہیں جیسے سون ندی، جو سون پور کے قریب گنگا میں ملتی ہے۔ قدیم زمانہ میں سون پور میں مویشیوں کے بڑے شاندار میلے لگتے تھے جو اب بھی لگتے رہتے ہیں۔

بائیں کنارے سے گنگا میں تین ندیاں ملتی ہیں — گومتی جس پر اتر پردیش کی راج دھانی لکھنؤ آباد ہے۔ یہ شہر مسلمانوں کی تہذیب کا بہت بڑا مرکز مانا جاتا ہے، گھاگھرا جو تبت میں مانسہ جھیل کے پاس سے نکلتی ہے اور پھر گنڈک۔

اتر پردیش میں گھاگھرا سب سے زیادہ اہم ہے کیونکہ اس پر سفر ہوتا ہے، گھاگھرا، چھپرے کے پاس گنگا سے ملتی ہے۔

بنارس کے گھاٹ
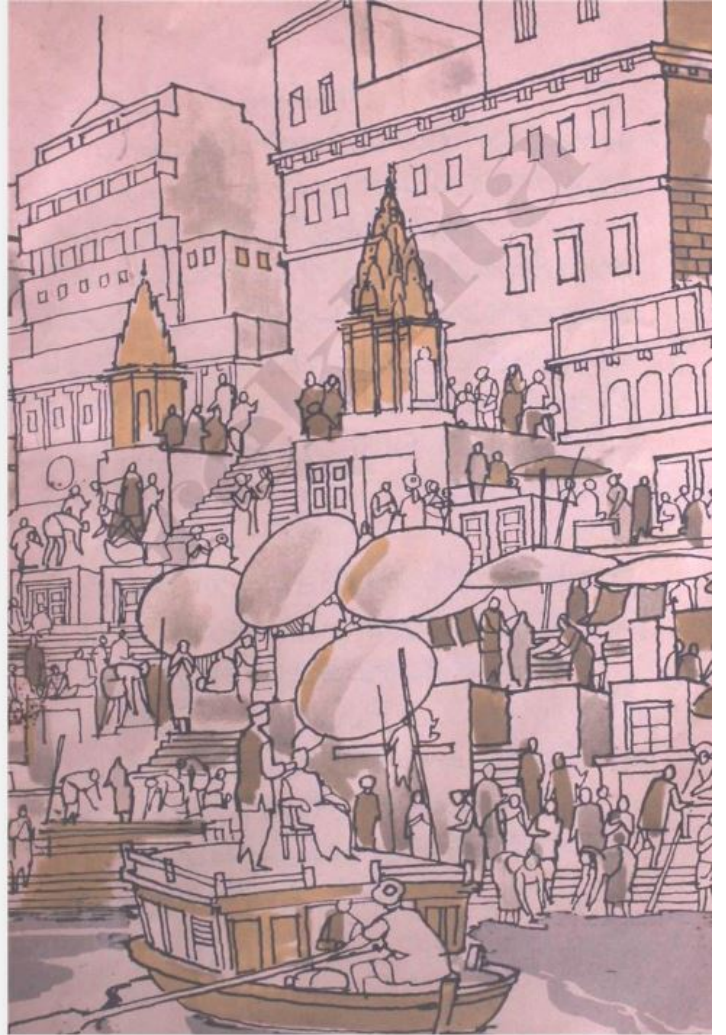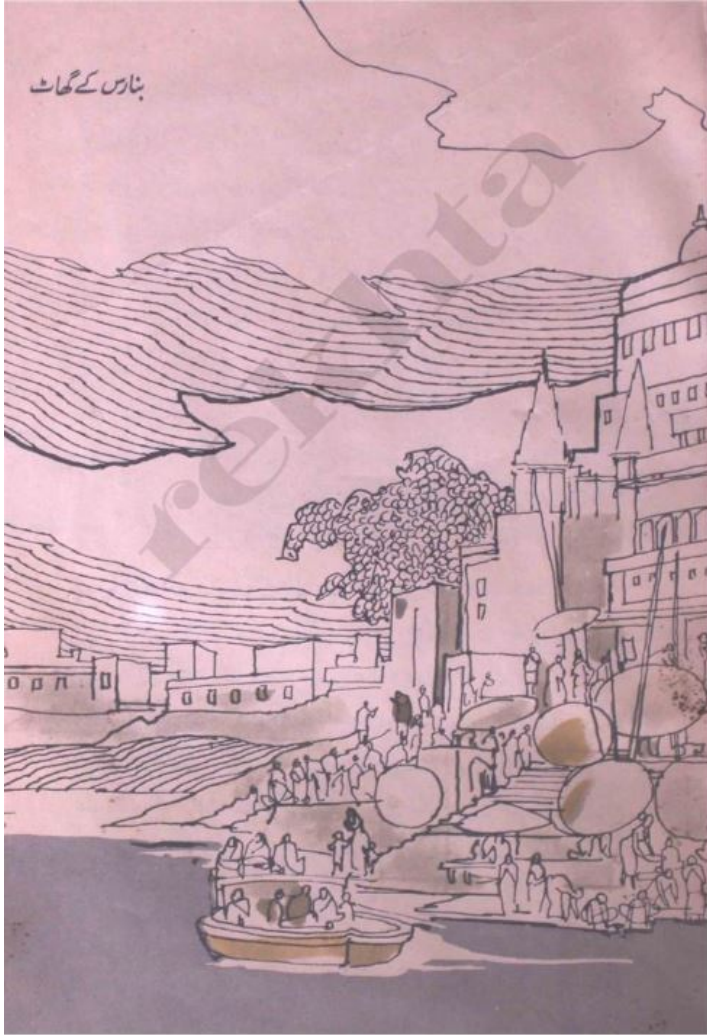
گنڈک تین دریاؤں کو ملا کر بنتی ہے، اس لئے نیپال میں اس کو ترسولی گنگا کہتے ہیں، وہ پٹنے کے پاس گنگا میں ملتی ہے، پٹنہ بھی ایک قدیم شہر ہے، اسی جگہ پاٹلی پُتر تھا، جہاں عظیم بدھ مہاراجہ، اشوک راج کرتا تھا۔

پٹنے سے نکل کر گنگا اور پورب کی طرف بہنے لگتی ہے۔ پھر کوسی اس میں آملتی ہے اب گنگا، راج محل پہاڑوں کا گھیرا لگاتی ہوئی شیر گور کے پاس سے گذرتی ہے، یہ شہر اب تو ویرانہ ہے مگر کبھی بنگال کی راج دھانی ہوا کرتا ہے، مرشد آباد اور راج شاہی (جس جگہ سے دریائے، ماتھ بھنگا، الگ ہوجاتی ہے) کے بیچ میں ہندوستان اور پاکستان کی سرحد ہے۔ مرشد آباد اور بہارم پورا اپنے ریشم کے لئے مشہور ہیں، وہاں مسلمان نوابوں نے بہت سے قلعے اور محل بھی بنائے ہیں جو دیکھنے کے لائق ہے۔

گنگا کا دہانہ بہت چوڑا ہے، دراصل یہ خلیج بنگال سے ۴۸۰ کلومیٹر پہلے ہی شروع ہوجاتا ہے جہاں سے ندی پھٹنے لگتی ہے، اصلی کھاڑی کا نام پدما پڑجاتا ہے اور پھر یہ دکھن پورب بہتی ہوئی گوالندو پہنچ جاتی ہے، گوالندو پاکستان میں ہے۔

وہاں برہم پُتر ندی اس میں آملتی ہے، پھر یہ چوڑی ندی میگھنا، کہلاتی ہے، اور نواکھالی کے پاس خلیج بنگال میں اتر جاتی ہے۔ یہ ندی کا پوربی دہانہ ہے۔

بہرحال، ہندوستان کو تو ندی کے پچھمی دہانے سے زیادہ تعلق ہے جو ہگلی کہلاتا ہے جس پر کلکتہ کی مشہور بندرگاہ ہے اور یہ سمندر سے ۱۴۴ کلومیٹر دور ہے، یہ علاقہ تجارت کے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ ویسے تو ہندوستان میں سمندر کے ساحل دور دور تک پھیلے ہیں، مگر بڑی بندرگاہیں دو چار ہی ہیں، کلکتے کی بندرگاہ ہندوستانی تجارت کے بہت بڑے حصے کو سنبھالتی ہے۔

ہگلی میں کشتیاں

بدقسمتی سے ہگلی اور اس کی شاخوں میں دھیرے دھیرے نیچے مٹی بہت جمتی جارہی ہے جو کہ پریشانی کی بات ہے۔ اسے بچانے کے لئے منصوبے بنائے جارہے۔ ندی پر، اور آگے کی طرف کو، ایک نئی بندرگاہ بنائی جارہی ہے جس کا نام ہلدیہ ہے۔ اس سے کلکتہ پر تجارتی جہازوں کا بوجھ کچھ کم ہوجائے گا، ہگلی پر ایک اور پل بنانے کا بھی منصوبہ ہے۔

دہانے کا اتری حصہ زرخیز ہے مگر دکھنی حصے میں دلدل اور نمک ہیں۔ سمندر کے پاس لکڑی کے لائق، گھنے جنگل ہیں جو سندر بن کہلاتے ہیں، ان جنگلوں میں چیتوں، اجگروں اور گھڑیالوں کا گھر ہوتا ہے اور یہاں کا پانی مچھلی کے شکار کے لئے بہترین ہے۔ سمندر جب

بڑھتا ہے تو اندر کئی میل تک آکر دہانے بنا جاتا ہے اور ندی کے دہانے کو کئی طرح کی مزیدار مچھلیوں کے پلنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ ملسہ، دیکتی اور جھینگے یہاں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

3- گنگا سمندر میں مِلتی ہے

گنگا ۲،۴۶۵ کلومیٹر لمبی ہے اور اس کی وادی کو ہندو تہذیب کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے، ہزاروں سال پہلے مرکزی یورپ اور ایشیا سے، آرین لوگ، پہاڑی دروں کے مشکل راستوں سے گذرتے ہوئے یہاں آئے۔ ان کے ساتھ ان کا علم اور ہنرمندی بھی آئی، دھیرے دھیرے یہ لوگ ہندوستان کے اصلی باشندوں میں ایسے گھل مل گئے کہ الگ نہیں پہچانے جا سکتے تھے۔

آرین جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے، بستیاں بساتے گئے، شہر آباد کرتے گئے، دریاؤں کے کنارے پر بنائے ہوئے ان کے کئی شہر بہت مشہور اور مالا مال ہوئے، تجارت اور علم کے شاندار مرکز بن گئے۔ عظیم الشان دریائے گنگا ان کے لئے گویا رگوں میں بہتا ہوا خون تھی۔ اس کے کنارے رہنے والے اس میں نہاتے، پانی پیتے، اس پر اپنی کشتیاں چلاتے اور اس سے نہریں کاٹ کاٹ کر دور دور کی خشک جگہوں کو سیراب کرتے۔ جب مرتے تو اسی کے کنارے ان کی ارتھیاں جلتیں۔ وہ اس دریا کو پوجتے اور یہ مانتے تھے کہ اس کا ایک قطرہ ان کے دل و دماغ اور جسم کو پاک کر سکتا ہے۔

گنگا پر بسے ہوئے کئی شہر ہزاروں سال پرانے ہیں، گنگا کے کنارے وارانسی کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے، کہتے ہیں کہ گوتم بدھ اپنے باپ کا محل چھوڑنے کے بعد پنڈتوں سے علم حاصل کرنے بنارس ہی آئے تھے۔ یہ بات بھی کوئی ڈھائی ہزار سال سے زیادہ پرانی ہے۔ بنارس اس وقت بھی علم کی بہت مشہور جگہ تھی۔

یہ بھی مشہور ہے کہ کسی زمانے میں گنگا کے کنارے آباد شہروں میں تجارت اور لین دین

بڑے زوروں پر تھا، ندی پر بڑی خوبصورت کشتیاں چلا کرتی تھیں، جن میں کئی کئی بادبان ہوتے تھے، خلیج بنگال سے گذر کر، گنگا کے اتار پر، تجارتی جہاز، دُور دُور تجارت کرنے جایا کرتے تھے۔ آج تک مشرقِ بعید کے ملکوں میں ہندو مذہب اور تہذیب کے نشانات ملتے ہیں۔

آج کل گنگا کے منبع سے لے کر پریاگ تک (جہاں جمنا اس میں ملتی ہے) کشتی چلانا آسان نہیں ہے، اس میں جگہ جگہ مچھلیوں کے غول ملتے ہیں، ریتیلے کنارے اور بھنور ہیں، البتہ اس کے آگے جب دریا گہرا ہو جاتا ہے تو کشتی چلانا آسان ہو جاتا ہے۔

ویسے ابھی تک کشتی کے ذریعہ بہت کچھ تجارت ہوتی ہے، اناج، روئی، چاول، گھاس، کوئلہ، لکڑی، گڑ اور دوسری بہت سی دیہاتی پیداواریں، ان چپٹے پیندے والی کشتیوں میں دریا کے چڑھاؤ اور اتار پر لے جائی جاتی ہیں، ان کشتیوں میں سے کچھ میں چپّو ہوتے ہیں، کچھ میں چپّو اور بادبان دونوں اور کچھ میں اب انجن بھی لگ گئے ہیں۔

کشتیوں کو پانی کی سطح پر بہتے دیکھنے سے زیادہ اور کوئی منظر خوبصورت اور پرسکون نہیں ہوتا، ہواؤں سے بھرے ہوئے بادبان، لہکارتی، آہستہ آہستہ، چپ چاپ، وہ کس طرح دریا پر ڈولتی، جاتی ہیں۔

ڈائمنڈ ہاربر ایک خوبصورت بندرگاہ ہے، اس کے سامنے کلکتہ سے کوئی ۵۰ کیلومیٹر کی دوری پر، ندی روپ نارائن گنگا میں گرتی ہے، یہ جگہ بہت دلکش ہے اور کہیں کہیں پر ندی کا پاٹ اتنا ہے کہ دوسرا کنارا دکھائی نہیں دیتا، بہت سے پرانے باغ، خانہ باغ اور قدیم قلعے ہیں جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہاں بنائے تھے، وہ دیکھنے کے قابل ہیں۔

سمندر کے پاس سندر بن کا علاقہ ہے جس میں گھنے جنگل اور جنگلی جانور

ہیں، کہا جاتا ہے کہ بنگال کے شاہی چیتے کا وطن یہی ہے مگر اب اس کی نسل اتنی تیزی سے گھٹ رہی ہے کہ اس کو بچانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

گنگا کا پورا راستہ بے شمار دلچسپ چیزوں سے بھرا ہے، پہلے تو یہ کہ اس کا حسن دیکھ کر بہت کچھ کر گذرنے کو جی چاہتا ہے، پھر اس کی روحانی قیمت بھی ہے، اس کی پاکیزگی اور ان تمام باتوں کا جواب نہیں لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس نے اپنے کناروں پر رہنے والوں کو ایک دوسرے سے نزدیک لانے میں بڑی مدد کی ہے۔ قدیم زمانے سے لے کر اب تک، اپنے کناروں پر بسے ہوئے تمام صوبوں کو اس نے جیسے ایک ہی ہار میں پرو دیا ہے۔ ویسے تو ان جگہوں پر رہنے والوں کی الگ زبانیں تھیں، ان کے لباس، ریت رسمیں، کھانا پینا، سب الگ طرح کا ہوتا تھا اور یوں ان کو ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہونا چاہئے تھا۔ مگر اس دریا ہی کی وجہ سے ایسا نہیں ہوا۔ آخر وہ سب اپنے آپ کو گنگا مائی کے بچے سمجھتے تھے، گنگا مائی، اپنے شمال مغربی منبع سے لے کر خلیج بنگال میں گنگا ساگر تک سارے ہندوستان کو سیراب کرتی تھی!

اور اس طرح گنگا بہتی رہتی ہے اور جب رستے بھر کی مٹی ملجانے سے، پانی کی چادر بھوری ہو کر سمندر میں گرتی ہے تب کہیں جا کر اس کا سفر ختم ہوتا ہے — اور اس طرح گنگا اپنی منزل پر پہنچتی ہے۔ گنگا جو اپنے منبع سے لے کر اپنی منزل تک، جدھر سے بھی گذرتی ہے، لوگ اس سے پیار کرتے ہیں۔

4 - برھم پُتر

ہمالیہ کے برف سے ڈھکے پہاڑوں سے ابلتا ہوا، جھاگ دیتا، اتار پر تیزی سے دوڑتا ہوا برہم پتر کا نیلا پانی ایک عجیب وغریب منظر پیش کرتا ہے۔ ایک طرف تڑپتا ہوا پانی، ہمالیہ کی چٹانوں کے بیچ بیچ میں سے ورّاتا ہوا، سیاہ اور زرد ہارن بل چڑیاں (ایک قسم کی مرغابیاں) ڈار کی ڈار، اپنے کھانے کی تلاش میں، بھٹان کے دامن میں اترتی ہوئی، یہ سب ایک ایسا سماں ہے کہ دیکھنے والے پر جادو سا ہو جاتا ہے، اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سب ایک خواب ہے، ایسی حیرانی محسوس ہوتی ہے اور اتنی خوشی کہ زبان گنگ ہو جاتی ہے!۔

برہم پتر کا راستہ بڑا دلچسپ ہے، کیلاش پربت کے دامن میں، سطح سمندر سے کوئی ۵۱۰۰ میٹر اوپر، ایک بہت بڑا گلیشیر ہے، اس میں سے ایک ندی پھوٹتی ہے، جس کا نام تسانگ پو ہے، مشہور جھیل مناسہ بھی یہاں سے بہت دور نہیں ہے اور اندس اور ستلج کے منبع بھی قریب ہیں۔

تسانگ پو ۱۳۰ کلومیٹر ہمالیہ کے برابر برابر، کوئی ۱۶۰ کلومیٹر کی دوری پر چلتی رہتی ہے، پھر جیسے جیسے اس کے دونوں کناروں سے چھوٹی چھوٹی ندیاں اس میں شامل ہوتی جاتی ہیں، وہ زیادہ چوڑی اور گہری ہوتی جاتی ہے۔ یہ راستہ تبت کے اونچے میدانوں پہاڑی میدانوں پر ہے جہاں بڑی سخت سردی ہوتی ہے، سال بھر، زیادہ تر وقت برفیلی ہوائیں چلتی رہتی ہیں، کچھ جگہیں تو بالکل ہی سنسان ہیں مگر کچھ چھوٹے شہر اور گاؤں دریا کے کنارے آباد ہیں اور ان کے علاوہ خیموں کی بستیاں جن میں چرواہے اور گڈریے رہتے ہیں۔

یہ دریا لاسہ کے پاس سے بھی گذرتی ہے جہاں دلائی لامہ اپنے مشہور پہاڑی محل میں رہتا تھا، اس محل کا نام پوٹالہ ہے۔ یہاں ندی خوب چوڑی ہو جاتی ہے اور کوئی ۶۴۰ کلومیٹر تک اس پر کشتیوں کی آمد ورفت ہے، ان میں سے زیادہ تر کشتیاں کوریکل کہلاتی ہیں اور ان کا ڈھانچہ بانس کا بنا ہوا ہوتا ہے جس پر جانوروں کی کھال منڈھی ہوتی ہے، ان اونچے دیسوں سے جو لوگ ہندوستان آتے ہیں ان میں سے زیادہ تر، پانی کے تیز دھارے کو پار کرنے کے لئے یہی کشتیاں استعمال کرتے ہیں، بعض بعض جگہ بانسوں کے لٹکتے ہوئے پل بھی ہوتے ہیں

برہمپتر

پہاڑوں کے نزدیک تیست

تیلادزنگ نامی ایک جگہ پر ندی کا پاٹ ۳۲ کلومیٹر ہے، پھر یہ عظیم الشان پہاڑوں سے گذرتی ہوئی پہلے پورب کی طرف بہتی ہے اور پھر دکھن کو مڑ جاتی ہے۔ ان پہاڑوں میں سے کچھ پہاڑ، مونٹ ایورسٹ سے بس کچھ ذرا ہی سے نیچے ہیں ۔ اور مونٹ ایورسٹ دنیا کی سب سے اونچی چوٹی ہے!۔

اب ندی کے بہاؤ میں اور تیزی آجاتی ہے، اور وہ زبردست انداز سے دھاڑتی چنگھاڑتی، گہرے، پتلے دروں اور گھاٹیوں میں سے دڑاتی ہوئی نکلتی ہے۔ جب دھارے اور جھرنے لڑھکتے ہوئے نیچے گرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ زمین تھرا رہی ہے، آخر کار ندی

پہاڑ کے دامن سے ابھرتی ہے اور سودیہ کے پاس سے حد سے گذر کر، ہندوستان کے اندر بہتی ہوئی، آسام کی وادی کے راستے پر چل پڑتی ہے۔

چھوٹی چھوٹی ندیاں اس میں گرتی ہیں، پورب سے دیبانگ، اور میتیسری، اور پچھم سے تیستا جو بڑی خوبصورت اور خطرناک ہے، اب یہ ٹھاٹھیں مارتی، گرجتی، طاقتور ندی برہم پتر کہلانے لگی ہے ۶-۹ کلومیٹر چوڑی تہہ پر بہتی ہوئی، یہ آسام کی وادی بھر میں تقریباً ۷۲۰ کلومیٹر تک بہتی چلی جاتی ہے اور اکثر اپنا راستہ بدل دیتی ہے۔ سمندر تک پہونچتے پہونچتے اس کے نام بھی کئی بدلتے ہیں ۔ شروع کے حصے میں جمنا کہلاتی ہے گوالندو میں، گنگا ملنے کے بعد پدما کہلاتی ہے اور جس جگہ خلیج بنگال میں مل جاتی ہے وہاں میگھنا۔ اس کے بہنے کا کافی راستہ پاکستان کے علاقے میں پڑتا ہے۔

اس دریا میں بے انتہا پانی ہے اور جب سیلاب آتا ہے تب تو لگتا ہے کہ سمندر زمین پر آگیا ہے، اس کا حسن اور جلال نہ جانے کب سے شاعروں کو شعر کہنے کا جوش دلاتا چلا آرہا ہے۔

مانسرور میں اس کے منبع سے لے کر خلیج بنگال میں اس کے دہانے تک، برہم پتر کی لمبائی، گنگا سے ۴۰۰ کلومیٹر زیادہ ہے مگر اس کا زیادہ تر راستہ ہندوستانی یونین یعنی بھارت سے باہر ہے، شروع حصہ تبت میں اور آخر پاکستان میں ہے، اس کا رقبہ ۹۳۸،۷۰۰ مربع کلومیٹر ہے اور اس کا تڑپتا ہوا بہاؤ کسی جگہ زمین کو کاٹتا اور کسی جگہ کنارہ بناتا ہے۔ اس کے آس پاس کی زمین زرخیز ہے کیونکہ پانی میٹھا ہے نمکین نہیں۔

یہ ایک نہایت کارآمد ندی ہے، خلیج بنگال سے لے کر آسام تک ۱۲۸۰ کلومیٹر کا فاصلہ ہے جسے طے کرنے میں یہ بڑی مدد دیتی ہے، سفر اور تجارت دونوں کے لئے یہ ایک نہایت مفید آبی راستہ ہے۔

5 - برہم پُتر کے چڑھاؤ پر ایک سفر

دوسری جنگ عظیم سے پہلے لوگ کبھی کبھی اسٹیمر پر چھٹیاں منایا کرتے تھے، کلکتہ سے ہگلی ندی کی ایک کھاڑی سے روانہ ہوتے تھے، اوراوپر شمالی آسام میں ڈبڑو گڑھ پر سفر ختم ہوجاتا ہے ڈبڑو گڑھ برہم پترا ہی پر تھا، جن کو اس اسٹیمر پر بیٹھنے کا موقع مل جاتا تھا، ان کے لئے یہ ایک ایسی تفریح ہوتی تھی جو کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔

کلکتے کی کسی جیٹی (ایک پل جو جہاز سے اتر کر کنارے پر آنے کے لئے بنا ہوا تھا). پر جہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ اور کام کاج نہ ہو، وہاں اسٹیمر بندھا رہتا تھا، تھوڑے سے مسافر ہوتے تھے جو اطمینان سے اس پر سوار ہوتے تھے، بٹلر خود ان کا ذمہ لیتا تھا وہ صرف بٹلر ہی نہیں، بہت اچھا باورچی بھی ہوتا تھا اور کیبن کے مسافروں کو مزے دار کھانے کھلایا کرتا تھا سفر بھر میں جہاں کہیں اسٹیمر رکتا، وہاں سے وہ تازی مچھلی، انڈے، مرغی، تازہ دودھ پھل اور سبزیاں خرید لیا کرتا تھا۔

یہ سفر بڑا مزے دار ہوتا تھا، چھوٹے سے عرشے پر مسافر بید کی کرسیوں پر بیٹھے، ندی کے کناروں کو پیچھے گذرتے ہوئے دیکھتے رہتے، پیڑ، کھیتیاں، ندی کے کنارے بنی جھونپڑیاں لوگوں کے چہرے، جو سامان وہ بیچنے لاتے ان کی قسمیں — یہ سب کچھ مسلسل بدلتا جاتا!

کلکتے سے خلیج بنگال تک ۱۴۴ کلومیٹر کا فاصلہ ہے، مگر یہ چھوٹا سا جہاز سمندر تک نہیں جاتا تھا، آدھے دن میں تو یہ ایک پتلی سی نہر نمکانہ ہی کے دہانے تک پہونچتا تھا، کیبن کے چند مسافروں کے علاوہ اسٹیمر پر اور مسافر بھی ہوتے تھے جو نچلے عرشے پر سفر کرتے، ان میں سے بہت سے کسی اسٹاپ پر اترتے، ان کی جگہ اور لوگ سوار ہوتے، آوازوں کا شور ہوتا، سامان اٹھانے دھرنے کی دھڑ دھڑاہٹ، زنجیروں کے چھناکے، اور چھوٹا سا جہاز پھر اپنے رستے پر چل پڑتا۔

اسٹیمر کے دونوں طرف بازو ہوتے تھے، چپٹے، پھیلے ہوئے، جو لدے ہوتے تھے، اس لئے اسٹیمر کو نہر میں بڑی احتیاط کے ساتھ چلنا پڑتا تھا، کیونکہ وہ بس اتنی چوڑی تھی کہ اسٹیمر گذرتے وقت بہت آہستہ ہوجاتی تھی اور یہ انتظار کرنا پڑتا کہ پانی چڑھے ورنہ تو اسٹیمر کا پیندا رگڑ جائے گا، دراصل سمندر میں مدوجزر آتے ہیں تو پانی ندیوں کے دہانوں تک پہونچ جاتا ہے، کلکتے سے کئی میل دور تک برابر یہ جوار بھاٹا دکھائی دیتا رہتا ہے۔

اب مسافر کنارے پر کے کھیتوں اور جھونپڑیوں کو دیکھ سکتے تھے۔ یہاں سے چار گھنٹے تک کشتی کے سفر کے بعد سندر بن کے گھنے جنگل آجاتے ہیں۔

یہ راستہ کئی نہروں اور چوڑے پتلے چشموں سے ہو کر گذرجاتا ہے اور اتنا پیچیدہ ہوتا تھا کہ جو لوگ اس اسٹیمر کو چلاتے تھے ان کو پہلے خاص ٹریننگ دی جاتی تھی۔ ویسے سفر بڑا پُرلطف ہوتا تھا، مسافروں کو کبھی لنگور نظر آتے، کبھی کناروں پر دھوپ تاپتے ہوئے مگرمچھ اور کبھی کبھار تو بنگال کا وہ خوبصورت شاہی چیتا بھی کسی کنارے پر لپڑ لپڑ پانی پیتا دکھائی دے جاتا جس سے لوگ اس قدر خوف کھاتے ہیں۔

ان چھوٹے چھوٹے آبی راستوں پر چلتا ہوا اسٹیمر پدما ندی پر نکل آتا جو بہت چوڑی ہے اور جس میں گنگا اور برہم پُتر دونوں کا پانی مل کر، سمندر میں گرتا ہے، اب تو اِس پُرانے راستے کا کافی حصہ پاکستان میں ہے۔

دوسرے روز، کافی رات گئے، اسٹیمر کھلنا پہنچ جاتا تھا، کبھی کبھی دریا پر چھائے ہوئے

گھرے کہرے کی وجہ سے اسٹیمر تھم جاتا تھا، کیونکہ آگے بڑھنا خطرناک ہی ہو سکتا تھا کسی دیہاتی کشتی سے ٹکر ہو جائے، جہاں پانی کا پھیلاؤ زیادہ ہوتا تھا، وہاں آمد و رفت اور ریل پیل کافی رہتی تھی۔

چونکہ اسٹیمر کا سفر دریا کے چڑھاؤ پر ہوتا تھا اس لئے اسے تیز بہاؤ کے خلاف چلنا پڑتا تھا، مچھلی پکڑنے والی چھوٹی چھوٹی کشتیاں، اناج اور گھاس سے لدی ناویں ملتیں، اینٹوں اور سیمنٹ کی سیڑھیوں والے نہانے کے گھاٹ جس پر دیہاتی لوگ آکر نہاتے، یہاں ندی کا نام مدھومتی ہے۔ جس کا مطلب ہے "شہد کا حسین دریا"

دو دن بعد اسٹیمر باریسال پہونچتا تھا جو ایک اہم دریائی بندرگاہ ہے، باریسال کے لوگ آکر مسافروں کو بتاتے کہ "باریسائی توپوں" کی گونج سنیں! یہ عجیب و غریب قسم کی آوازیں ہیں جو آس پاس تمام سنائی دیتی ہیں، غالباً پانی کے دھارے یا مد و جزر سے اس کا تعلق ہے!

اب ندی کی صورت آہستہ آہستہ بدلنے لگتی ہے۔ کنارے زیادہ اونچے، ریت کی جگہ کیچڑ، ساحل کی لکیر، ٹوٹی پھوٹی، اوبڑ کھابڑ! اسٹیمر اکثر سامان اتارنے، لادنے کے لئے رکتا، چھوٹی چھوٹی کشتیاں آجاتیں جو میٹھے کھجور کے رس، تازی مچھلیوں اور سبزیوں سے بھری ہوتیں۔

بید کی کرسیوں پر بیٹھے مسافروں کو دور دور تک ریلوے لائن یا کوئی اسٹیشن نظر نہ آتا، سارا مال کشتیوں ہی کے ذریعہ لایا لیجاتا، جہاز تجارت کا سامان اٹھا لیتے جیسے کپڑوں کی گانٹھیں، مٹی کے تیل کے کنستر رنگ کے ڈبے، لوہے کی چھڑیں، بالٹیاں، دھات کے بنے طسلے وغیرہ۔ یہ سب سامان دور دراز کے دیہات کے لئے پہونچایا جاتا تھا۔

پھر جہاز، چلمری نام کی ایک چھوٹی سی جگہ سے گذرتا تھا، کسی زمانے میں یہاں کے پیتل کے برتن بہت مشہور تھے مگر اب تو مسافروں کو صرف مونجھ کے گٹھر نظر آتے جو اس چبوترے پر ڈھیر رہتے تھے جس پر جہاز لگتا تھا۔ چلمری کے بعد ندی پتلی ہونے لگتی ہے۔ اور دونوں طرف کے ریتیلے کنارے ایک ساتھ دکھائی دینے لگتے ہیں، ندی اپنے ساتھ بہت سی مٹی بہا کر لے جاتی ہے اور جہاں دھارا تیز نہیں ہوتا وہاں جمع کر دیتی ہے، یوں ریتیلے کنارے بن جاتے ہیں۔

اب جہاز جترا پور پر رکتا تھا جہاں سے آسام کے علاقے کی شروعات دکھائی دینے لگتی ہیں، دریا پار اور آگے ایک پرانا مشہور شہر ہے جس کا نام دھوبری ہے، یہ بڑا پیارا شہر ہے عمارتیں دیکھو تو ایسا لگتا ہے کہ اب اوندھ کر ندی میں گریں کہ گریں! دھوبری کی مچھلی جیسے میلسہ جو پدما میں پکڑی جاتی ہے، وہ ایک نعمت مانی جاتی ہے اور اسٹیمر کا بٹلر ضرور وہاں میلسہ خریدتا۔

رفتہ رفتہ دونوں طرف کے پہاڑ دریا کے قریب ہوتے جاتے ہیں، ان کا رنگ گہرا ہرا ہے، پیڑوں اور بیلوں سے ڈھکے ہوئے، جھاڑوں میں دریا اتنی خاموشی اور سکون سے بہتی ہے کہ ایک لہر تک نہیں دکھائی دیتی، بس آبی سنبل کے گچھے کے گچھے پاس سے بہتے ہوئے گذرتے جاتے ہیں، پہاڑ اور نزدیک آتے جاتے ہیں، تین چوٹیوں والا ایک پہاڑ باقی سب سے اونچا ہے۔

جب اسٹیمر گول پارہ سے گذر جاتا تو پہاڑ پیچھے رہ جاتے اور پھر اسٹیمر پانسباری پر رکتا۔ جس چبوترے سے وہ لگتا، وہاں لوگ انڈے، زندہ کبوتر، اور پکی نارنگیاں بیچنے آتے، لوگوں کی صورتیں بھی بدلی ہوئی ہوتیں، ترچھی، لکیر سی آنکھیں، مسکراتے چہرے،

بڑے بھلے لگتے۔

آخر کار اسٹیمر پانڈو گھاٹ پہونچ جاتا، یہاں آسام کے خاص شہر شیلانگ کے لئے آنے والے تمام مسافر اتر جاتے، شیلانگ بڑا خوبصورت پہاڑی اسٹیشن ہے، سیر کے لئے پیاری پیاری جگہیں، دور نیلے نیلے پہاڑ اور خود دریا میں جزیروں کے سے کالے کالے دھبے! بہاؤ کے ساتھ کچھوے چہلیں کرتے جاتے ہیں اور ان کے جسموں پر سے ٹپکتا پانی دھوپ میں سونے کے قطروں کی طرح دمکتا ہے۔

رات کے وقت یہاں سے گوہاٹی کی روشنیاں نظر آتی ہیں اور اونچے اونچے کہرے ڈھنپے ہوئے پہاڑ! اسٹیمر اومانندا بھیرب سے گذرتا ہے، جس کی پتھریلی بنیادیں دریا کی گود سے اٹھی ہوئی ہیں اور اسٹیمر کے عرشے سے بھیرب کے مندر کے کلس صاف دکھائی دیتے ہیں یہاں بڑے خطرناک بھنور ہیں، جن میں بہت سی کشتیاں غرقاب ہو چکی ہیں، پانی کا دھارا تیز، طاقتور اور گہرا ہے۔

آخر کار اسٹیمر گوہاٹی پہونچتا ہے، جو ایک بڑا شہر ہے اور یہاں بہت کام کاج ہوتا رہتا ہے، پرانے زمانے میں بھی یہ شہر کافی مشہور تھا، اس کے پاس ایک نئی یونیورسٹی ہے اور ایک پہاڑ پر ایک قدیم یاترا جو کاما کھایا کا مندر کہلاتی ہے۔ قدیم زمانے میں اس بستی کے لوگ یہاں پوجا کرتے تھے اور دیوی سے اتنا ڈرتے تھے کہ کوئی بھی اس پہاڑ پر رات نہیں کرتا تھا، کیونکہ ایسا کرنا محفوظ نہیں سمجھا جاتا تھا، اب زمانے نے ان ڈھکوسلوں کو ختم کر دیا ہے اور لوگ وہاں کی خوبصورتی سے لطف اٹھا سکتے ہیں۔

اسٹیمر کے مسافروں میں سے کچھ اگر سڑک کا سفر کر کے اور آگے شمال کو جاتے اور لوہت ندی پر بڑھتے جاتے تو انھیں یہ دیکھ کر یقین نہ آتا کہ عظیم الشان ہمالیہ پہاڑ کے دامن سے جو

دریا لڑھکتا، جھاگ اڑاتا، پھنکارتا، گرجتا، ڈراتا ہوا نکلتا ہے۔ وہ وہی ہے جس پر وہ اتنے دن سفر کرتے رہے تھے۔ جس سفر کا خاتمہ دھوبری پر ہوا تھا کیونکہ اور آگے بڑھ کر بہاؤ کی تیزی کو آزما کر دیکھنا، یہ کسی اسٹیمر کی مجال نہ تھی۔
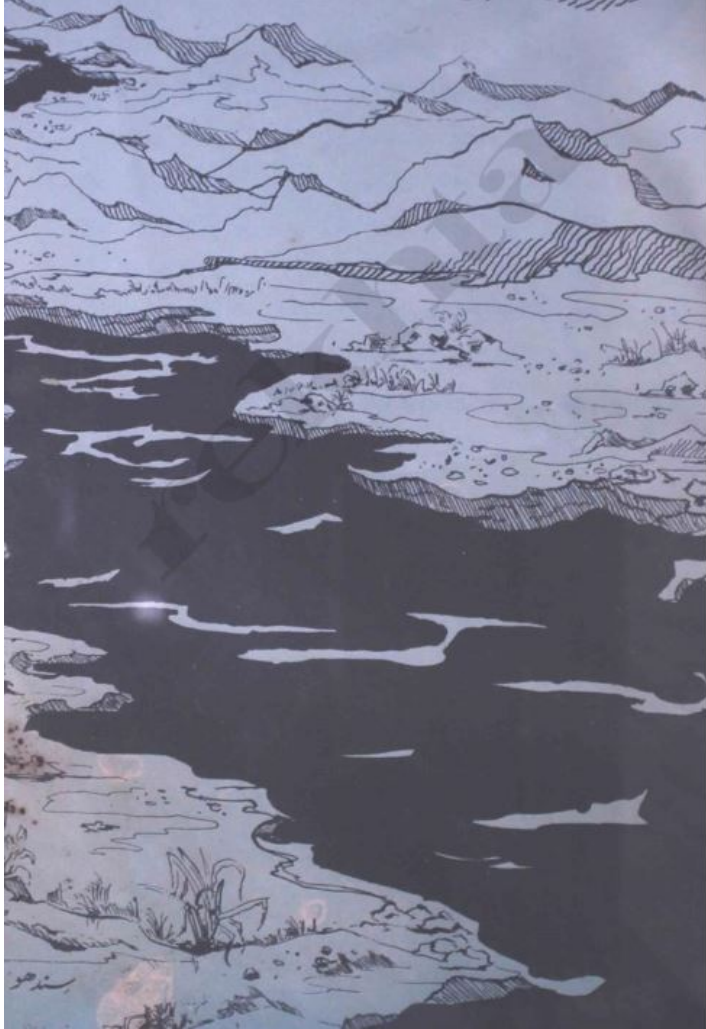
6- پنج ناد اور اُس کے یاتری

پرانے زمانے میں پنجاب ہندوستان کا ایک مشہور صوبہ رہا ہے۔ لفظ پنجاب بھی پنج آب سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پانچ پانی ۔ یہ پانچ ندیاں ہیں، جہلم یا بتاستا، چناب یا چندربھاگ، راوی یا اراوتی، بیاس یا بپاشہ، ستلج یا ست درو، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بھگوان رام نے اس میں اپنی جان دی تھی۔

ان سب میں صرف ستلج کا منبع ہمالیہ میں، تبت کے اونچے میدان کی ایک مشہور جگہ مانسرور کے پاس ہے، اس کے بہاؤ کا راستہ زیادہ تر ہندوستان کے علاقے میں ہے بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیاں اس میں گرتی ہیں اور پھر یہ بہتی ہوئی مغربی پاکستان میں داخل ہو جاتی ہے۔

ان پانچ ندیوں میں جہلم سب سے زیادہ شمال کو ہے اور وُلَر جھیل سے نکلتی ہے چناب لاہول سے نکلتی ہے اور جموں اور کشمیر بھر سے بہتی گذرتی ہے پاکستان میں جا کر یہ پانچوں ملتی ہیں اور پنج ناد بنتا ہے، انڈس اٹھتی ہے اور دکھن کی طرف بہتی ہوئی ہمالیہ کے اندر تک چلی جاتی ہے، پنج ناد بھی انڈس میں آملتا ہے اور یہ سب مِلا جُلا پانی، خشک میدانوں سے ہوتا ہوا، بحرِ عرب میں گرتا ہے۔

انڈس ندی کو دنیا کی چند بڑی ندیوں میں سے ایک مانا جاتا ہے یہ اپنے منبع سے لے کر سمندر تک ۲۸۸ کلو میٹر لمبی ہے، جغرافیائی حیثیت سے یہ شمال جنوبی ہندوستان اور مغربی پاکستان کی ندی ہے، تاریخی حیثیت سے اس ندی سے ہندوستان نے اپنا نام

پایا ہے، ہندوستانی لوگ انڈس کو سندھو کے نام سے جانتے ہیں، شروع میں اس ندی کے دو دھارے ہیں، ایک کیلاش پربت کی طرف سے شمال مغرب میں بہتا ہے اور دوسرا ایک جھیل سے بہتا ہے جو کیلاش پربت کے شمال مشرق کو ہے۔

ہندوستان یاترا کی جگھوں اور یاتریوں کا دیس ہے چاہے یہ متبرک مقامات، پہاڑوں میں ہوں یا میدانوں میں، اکثر دریاؤں یا سمندر کے کنارے ہوتے ہیں، ان کے چاروں طرف ایسے خوبصورت منظر ہوتے ہیں کہ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتے، ان تک پہونچنے کا راستہ اکثر دلچسپ اور مشکل ہوتا ہے، صرف مذہبی لوگ ہی ان یاتراؤں پر نہیں جاتے، بلکہ ہندوستان بھر سے اور کبھی کبھی ہندوستان کے باہر سے بھی مسافر اور سیاح اور سیر کرنے والے یہاں پہونچتے ہیں، جہاں بھی دو ندیوں کا ملاپ ہوتا ہے، وہ جگہ متبرک سمجھی جاتی ہے، لوگ وہاں آکر نہاتے اور عبادت کرتے ہیں۔

ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں کے سیاح اکثر انڈس میں ملنے والی ندیوں کو پار کرکے حسین اور حیرت ناک منظروں کو دیکھتے ہیں۔ مونی میش پہاڑ کی یاترا ایسی ہے جہاں بہت کم لوگ جاتے ہیں، یہ ایک جھیل پر ہے جس کا نام بھی مونی میش ہے، اس تک پہونچنے کے لئے یاتریوں کو راوی کے کنارے کنارے پیدل چلنا پڑتا ہے، پاس ہی ایک دلکش پہاڑی مقام ہے جسے ڈلہوزی کہتے ہیں، راوی اسی ڈلہوزی پہاڑ کے دامن سے لگی لگی چھمب کی وادی سے ہو کر بہتی ہے، ذرا ہی دور پر کولو اور کانگڑہ کی حسین وادیاں ہیں، جہاں کی تصویریں اور میٹھے مزے دار پھل مشہور ہیں۔

یہاں بپاش یا بیاس کا نیلا پانی پہاڑوں میں کلیلیں کرتا ہوا اترتا ہے اور اس کی گونج سنگیت کی طرح سنائی دیتی ہے، کولو کی وادی سے مسافر لوگ بس کے ذریعہ شملہ

جا سکتے ہیں، راستے میں ان کو ست دریا ستلج کے، اُبلتے، گدلے پانی کے پل پر سے گذرنا ہوتا ہے۔

چونکہ راوی کافی اونچائی سے بہتی ہے، اس لئے وہ پہاڑوں کے کھیتوں پر سے گذرتی ہے، یہ کھیت سیڑھیوں کی طرح ہوتے ہیں، شمال کی ٹھنڈی ہواؤں سے یہاں آنے والوں کا خون جمنے لگتا ہے۔ کسی کسی جگہ ایسا ہے کہ گویا پہاڑوں نے ہٹ کر دریا کو سرسبز حسین وادیوں میں اتر جانے کا راستہ دے دیا ہو۔ یہاں بارش یکایک ہو جاتی ہے، پھر پانی بڑھ جاتا ہے، اور دھارا، شور مچاتا، گرجتا یوں نیچے دوڑتا ہے کہ اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو بہا لیجاتا ہے سہمے ہوئے یاتری محفوظ جگھوں میں پناہ لیتے اور پانی سے جہاں تک دور ہو سکتا ہے، ہٹ جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ غصے میں بل کھاتا ہوا دریا، سب کچھ تباہ کر دے گا، پورے پورے درختوں کو بہا لے جاتا ہے اور کبھی کبھی تو پورے پورے پہاڑ کھسک جاتے ہیں جسے لینڈ سلائیڈ کہتے ہیں۔ بہاؤ میں کیچڑ اور پتھر آجانے سے صاف نیلا پانی، گدلا اور جھاگ دار ہو جاتا ہے۔

چٹانیں پانی میں ڈوب جاتی ہیں، بھنور بنتے ہیں، گھاس کے بڑے بڑے گچھے، جھاڑیاں، ڈالیاں، بدنصیب جانوروں کی لاشیں، سب کچھ لپکتے ہوئے دھارے کے ساتھ بہتے چلے جاتے ہیں۔ انسان ہو یا جانور، ذرا بے احتیاطی کی اور موت آئی۔

مگر پھر حیرت ناک تیزی کے ساتھ بارش رک بھی جاتی ہے، پانی کی سطح ایک دم نیچے چلی جاتی ہے، پھر پانی کا رنگ نیلا اور شفاف ہو جاتا ہے، البتہ چٹانوں کے بیچ بیچ میں بارش کا پانی اٹک کر چھوٹے چھوٹے تالاب سے بن جاتے ہیں جن میں ننھی ننھی مچھلیاں زناٹے بھرتی رہتی ہیں، پھر جلدی ہی سورج نکل آتا ہے، تالاب سوکھ جاتے ہیں مچھلیاں

بے چاری مرجاتی ہیں۔

مسافروں کے راستے بھی کیچڑ سے بھر جاتے ہیں، روڑے، چٹانوں کے ٹکڑے، پیڑوں کی ٹوٹی ہوئی ڈالیاں، ان راستوں پر یوں بکھر جاتی ہیں، چلنا ناممکن ہو جاتا ہے، پہاڑوں کے چوکی دار، مسافروں کو خطروں سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ سڑک کو جلد از جلد بنانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ حادثے نہ ہوں۔

شمالی ہندوستان میں دیہاتی لوگ، اس طرح کی بارش سے بہت ڈرتے اور اُسے "ہتیا" کہتے ہیں، جس کے معنی ہیں موت ہے۔ اور واقعی وہ جان اور مال کو سخت نقصان پہونچاتی ہے۔ بہرحال اس سے اتنا فائدہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے پانی کے ساتھ مٹی اور گلی سڑی گھاس پات وغیرہ بھی آتی ہے جس کی وجہ سے زمین زیادہ زرخیز ہوتی ہے۔

۷- مہاندی اور اڑیسہ کی ندیاں

شمالی ہندوستان میں چار بڑی ندیاں ہیں، ان کے علاوہ کئی چھوٹی بھی ہیں جن میں سے زیادہ تر کسی نہ کسی ندی میں مل جاتی ہیں، چاہے شروع ہی میں مل جائیں یا آخر میں۔ بڑی ندیوں میں ہیں۔ گنگا، برہم پُتر، سندھو اور مہاندی۔ جسے لوگ عام طور پر اڑیسہ کی ندی کہتے ہیں۔ ان چاروں ندیوں میں صرف یہی مہاندی ہے جو ہمالیہ سے نہیں نکلتی، بلکہ مدھ پردیش میں بستر کے جنگلی پہاڑی علاقے سے نکلتی ہے۔

اگر اڑیسہ کی قدرتی پیداواروں کا قاعدے سے انتظام کر دیا جائے تو وہ ہندوستان کی ایک بہت امیر ریاست یا صوبہ بن جائے۔ ماہروں کا کہنا ہے کہ اگر صرف مہاندی کے دہانے کو ترقی دے دی جائے اور ندی کو سفر کے زیادہ لائق بنا دیا جائے تو پھر زمین کے قیمتی خزانوں، کچی دھات وغیرہ اور لکڑی کے عظیم الشان جنگلوں تک آسانی سے پہونچا جا سکتا ہے اور ان چیزوں کو جہازوں میں لاد کر، پانی کے ذریعہ ہندوستان کے دوسرے حصوں اور ہندوستان کے باہر بھی پہونچایا جا سکتا ہے۔ اس وقت تو یہ حالت ہے کہ جنگلی علاقے ہیں یہ تمام چیزیں اچھوتی پڑی ہیں، ویسے حکومت اور لوگ کوشش میں لگے ہیں کہ اڑیسہ کے قیمتی قدرتی خزانے کو کس طرح حاصل کیا جائے۔

مہاندی، مدھیہ پردیش میں، رائے پور شہر کے تقریباً ۴۰ کلو میٹر دکھن پورب سے نکلتی ہے، یہاں، تو جیسا کہ ہونا چاہئے، وہ صرف ایک چھوٹا سا چشمہ ہے جو چھتیس گڑھ کے پوربی علاقے میں سے بہتا ہے، پھر شیو نارائن شہر کے پاس، اس میں وہ ندی آملتی ہے جو اس

کٹک میں مہاندی

میں سب سے زیادہ پانی انڈیلتی ہے۔ اس دریا کا نام شیوناتھ ہے، اب مہاندی پورب کی طرف بہنے لگتی ہے۔ خوبصورت چھوٹا ناگپور اور سمبل پور کے پہاڑی سلسلوں کی بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیاں اس میں گرتی اور ملتی جاتی ہیں، اس طرح پانی بڑھتا جاتا ہے چھوٹا ناگپور کے پاس منظر بڑا لاجواب ہے۔

مہاندی کا راستہ پہاڑی اور جنگلی علاقے سے گذرتا ہے جہاں جنگلی جانور اور لڑنے بھڑنے والے قبیلے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر لوگوں کو مہاندی کے خوبصورت اور دشوار گذار وادی کے متعلق نہیں معلوم ہے۔

پدم پور نامی ایک جگہ پہنچ کر مہاندی جنوب کو مڑ جاتی ہے اور سمبل پور کے پاس، ڈھیروں چٹانوں سے ٹکراتی، گرتی پڑتی، سون پور کی طرف بڑھتی ہے۔ اڑیسہ کے پہاڑوں تک پہونچنے سے پہلے اسے، رنگ برنگ کی قسم قسم کی چٹانوں، اونچی نیچی زمینوں کے درمیان گہرائیوں وغیرہ سے گذرنا پڑتا ہے۔

پہاڑوں کے ان مشکل راستوں سے گذر کر یہ ایک دلکش گھاٹی میں اترتی ہے جس کے چاروں طرف ڈھلوانوں پر گھنے جنگل ہیں۔ اس کا راستہ، جھرنوں اور گردابوں (بھنوروں) سے بھرا ہے اس لئے اس پر اسٹیمر کو لے چلنا ناممکن ہے مگر بہرحال دیہاتی کشتیاں اوپر تک جاتی ہیں، جہاں بھنور پڑتے ہیں، وہاں ملاحوں کو کشتی، کنارے سے کھینچتے ہوئے لے چلنی پڑتی ہے، پتلی پتلی وادیاں رنگین تصویروں کی طرح لگتی ہیں، ندی میں مچھلیاں بہت پائی جاتی ہیں، دیہاتی لوگ ڈھیروں پکڑتے ہیں، اس میں مگرمچھ بھی ہیں اور یہ وادیاں مگرمچھ کے شکار کے لئے مشہور ہیں، شکاری اکثر یہاں اس شکار کا لطف اٹھانے آتے ہیں اور پھر مگرمچھ کی کھال بہت قیمتی بھی تو ہوتی ہے۔

برسات میں مہاندی کا بہاؤ بڑا زوردار ہوتا ہے، وادیاں لبالب بھر جاتی ہیں اور وہ دھاڑتی، گرجتی، ان میں سے بہہ بہہ کر گرتی رہتی ہے۔ ویسے تو یہ زیادہ بڑی ندی نہیں ہے مگر برسات کے موسم میں ہندوستان کی تمام ندیوں سے زیادہ اس میں پانی ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ نارج کی گھاٹی پر، سیلاب کے زمانے میں ۱،۷۰۰۰ مکعب میٹر پانی فی سیکنڈ نکلتا ہے، جبکہ خشک موسم میں، یہیں، صرف ۴۰ مکعب میٹر پانی نکلتا ہے!۔

پتلی پتلی، نمناک گھاٹیوں میں بانس کے گھنے خوبصورت جنگل ہیں۔ بانس سے کاغذ تیار ہوتا ہے، افسوس کی بات یہ ہے کہ بانس کی کاشت کافی نہیں ہے اور اڑیسہ میں جو کاغذ

کی ملیں ہیں، ان کو ملک کے دوسرے حصوں سے بھی بانس منگوانا پڑتا ہے۔

مہاندی میں گرنے والی ندیوں میں تیل بہت اہم ہے، پھر مہاندی اور چوڑی ہو جاتی ہے اور تلچر سے گذرتی ہے، جہاں کوئلہ نکلتا ہے، کسی زمانے میں یہ علاقہ گھنے جنگلوں سے بھرا رہا ہوگا، جو زمین میں دھنس گئے اور پھر دباؤ سے کوئلہ بن گئے۔

اب بھی یہاں بہت خوبصورت جنگل ہیں، میکالا کے پہاڑی سلسلوں کے پاس کے جنگل بڑے عظیم الشان درختوں مثلاً ساگوان، مہوہ وغیرہ سے بھرے ہیں، بانس بھی ہے، یہ جگہ سیر تفریح کرنے والوں کی جنت ہے۔

شہر کٹک سے گیارہ کلومیٹر دور نارج کے مقام پر یہ ندی اڑیسہ کے اندر داخل ہوتی ہے۔ اور پورب کی طرف بہاؤ جاری رکھتی ہے، کئی چھوٹی چھوٹی ندیاں اس میں گرتی ہیں اور جیسے یہ سمندر کے نزدیک ہوتی جاتی ہے، اس میں کئی جگہ دہانے بنتے ہیں۔ ریتیلے کناروں والی، چوڑے پاٹ ندی کا اپنا ایک الگ حسن ہوتا ہے، کٹک کے معنی ہیں قلعہ، یہاں مہاندی کے تین بازو ہیں اور کٹک اس پر جزیرے کی طرح لگتا ہے، پرانے زمانے میں شہر پر اگر حملہ ہوتا تھا تو اس کے بچاؤ کے لئے مہاندی کا یہ قدرتی گھیرا، خندق کی طرح کام آتا تھا۔

مہاندی کا خاص دھارا یا بہاؤ جس جگہ خلیج بنگال میں گرتا ہے اسے فالس پوائنٹ کہتے ہیں۔ اس جگہ کی بھی اپنی ایک تاریخ ہے۔ بہت دنوں سے یہ محسوس کیا جاتا تھا کہ اڑیسہ کو بھی ایک ایسی اچھی بندرگاہ کی ضرورت ہے جہاں سمندر کو جانے آنے والے جہاز لگ سکیں اس طرح معدنی پیداوار، اور چاول باہر بھیجا جا سکے گا کیونکہ بڑے جہاز اڑیسہ ہی کے کنارے پر مال اتار چڑھا سکیں گے۔ ویسے تو فالس پوائنٹ ایسے جنگلوں سے گھرا تھا کہ جن کی فضا

صحت کے لئے مضر تھی مگر چونکہ وہ اڑیسہ کی سب سے بڑی ندی کے دہانے پر تھا اس لئے وہ جگہ نہایت موزوں و مناسب تھی، چنانچہ کوئی ڈیڑھ سو سال ہوئے ہیں، کہ وہاں ایک بندرگاہ بنائی گئی اور کہا جاتا ہے کہ بمبئی کلکتے کے بیچ میں، وہ بہترین بندرگاہ تھی۔ ایک نہر کے ذریعہ اسے کٹک سے جوڑا گیا اور لوگ آس لگائے بیٹھے کہ اب اچھے دن آئیں گے مگر بدقسمتی سے ۱۸۱۵ء میں ایک زبردست طوفان نے اس بندرگاہ کو تباہ کر دیا، جان و مال کا بہت نقصان ہوا اور یہ منصوبہ ختم ہو گیا۔

فی الحال، فالس پوائنٹ کے پاس، پردیپ نام کی ایک جگہ کو سمندری بندرگاہ بنانے کے لئے ترقی دی جا رہی ہے اور امید ہے کہ وہ بہت کامیاب بندرگاہ ثابت ہو گی۔ اڑیسہ میں کئی چھوٹی چھوٹی ندیاں بھی ہیں، شمال میں رشی کولیا، بڑا بانگا اور مشہور سوبرن ریکھا، جس کی مٹی میں سونے کے ذرّے پائے جاتے ہیں۔ دریائے گوداوری کی کچھ شاخیں ہیں جو گنجم، اور کوراپٹ کے ضلعوں کو سیراب کرتی ہیں، ان میں اندراوتی، کولاب، سلیرو وغیرہ کا ذکر کیا جا سکتا ہے، برہمنی اور بیتارانی بھی مشہور ندیاں ہیں۔

اڑیسہ کے سیلاب اپنی تباہ کاری کے لئے بدنام ہیں، بہت سی اسکیمیں بنائی گئی ہیں کہ ہر سال جتنا پانی برباد ہوتا ہے وہ بچایا جا سکے کیونکہ ایک طرف تو برسات میں بے انتہا پانی ہوتا ہے، دوسری طرف خشک موسم میں ایسا سوکھا پڑتا ہے کہ کھیتیاں جھلس کے رہ جاتی ہیں اور اکثر قحط پڑتے ہیں۔

خود مہاندی پر ہیراکنڈ کے بند کا منصوبہ ۱۹۴۵ء میں بنایا گیا تھا، اور اب تیار ہو گیا ہے، اس کا مقصد ہی یہی ہے کہ برسات میں پانی کو اکٹھا کرے اور گرمیوں میں کھول دے۔

ایک اور باندھ ٹیکر پارا میں بھی بنانے کا منصوبہ ہے، جو اس علاقے میں سیلابوں کی روک

ہیراکنڈ باندھ

تھام کریں گے۔

سمبل پور اور بولانگر ضلعوں میں تیل اور مہاندی کی وادیاں اور برہمنی اور بیتارانی کی وادیاں، ہندوستان کا نہایت زرخیز خطہ ہیں، اوڑیسہ میں دریائی وادیوں اور پہاڑوں میں انجانی جگہوں کی خوبصورتی دنیا کے کسی بھی خوبصورت مقام سے مقابلہ کر سکتی ہے، مگر ابھی ان جگہوں کو ٹھیک سے معلوم کرنا اور ان کو ترقی دینا باقی ہے۔

ان علاقوں میں ملیریا بخار بہت ہوا کرتا تھا، وہاں کے لوگ باہر کے لوگوں کا آنا پسند نہیں کرتے تھے، مگر اب رفتہ رفتہ یہ سب کچھ بدل رہا ہے، شکاریوں نے لاپرواہی کے ساتھ شکار کھیل کھیل کے بہت سے جنگلی جانوروں کو ختم کر دیا تھا مگر اب یہ قانون بن گیا ہے کہ ان جانوروں

کی حفاظت کی جائے، جنگل میں داخل ہونے سے پہلے شکاریوں کو پرمٹ لینی پڑتی ہے، ورنہ تو چیتوں، ریچھوں اور جنگلی ہاتھیوں کی نسل ہمارے ملک سے ختم ہو جائے گی۔

پھر یہاں آنے والے لوگوں میں محکمۂ جنگلات کے لوگ اور انتظام کرنے والے ہیں، یہ عام طور پر وہ لوگ ہوتے ہیں جو پتھروں اور کانوں کے علم کو سیکھے ہوئے ہوتے ہیں، اور اس لئے ویرانوں اور اکیلی جگہوں پر جا کر یہ تجربے کرتے اور یہ پتہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ معدنیات کے خزانے زمین میں کہاں چھپے ہیں۔ انسانی بستیوں اور کھیتی باڑیوں سے دور یہ گھنے جنگلوں میں اندر تک جا کر خیمے لگا کر رہتے ہیں، انہیں جنگلی جانوروں، چیتوں، ریچھوں، جنگلی سوروں اور زہریلے سانپوں سے بچنا ہوتا ہے، ویسے تو ان کی زندگی خطرے میں رہتی ہے مگر ہوتی ہے بہت دلچسپ! انہیں بانسوں کی باڑ یا پیڑوں کی ٹہنیوں پر اپنے رہنے کے ٹھکانے بنانے پڑتے ہیں، کبھی کبھی رات رات بھر آگ جلانی پڑتی ہے، باری باری سے کوئی نہ کوئی پہرہ دیتا ہے۔ اس طرح کچھ سال زندگی گذارنے کے لئے لوگ بڑے پکے بہادر بن جاتے ہیں اور کسی چیز سے خوف نہیں کھاتے۔

ان ندیوں کے پاس جو لوگ ہمیشہ سے رہتے آئے ہیں، وہ بھی بڑے دلچسپ ہیں، ویسے تو انھوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی ہوئی ہے مگر جنگل کے معاملات اور جانوروں کی عادات سمجھنے میں بڑے ہوشیار ہوتے ہیں، ان کی زندگی بڑی سخت ہوتی ہے، بہت غریب ہوتے ہیں مگر خوبصورتی کے چاہنے والے، اپنی پرانی ریتوں، رسموں اور زندگی کے طور طریقوں کو پسند کرنے والے — اگر کوئی ان کی زندگی میں دخل دینا چاہے تو ان کو اچھا نہیں لگتا۔

تو ایسی ہے وہ سرزمین جس سے ہو کر مہاندی سمندر میں گرتی ہے!

8- برساتی ندیاں

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، شمالی ہندوستان میں تین بڑی ہمالیائی ندیاں ہیں۔ گنگا برہم پتر اور انڈس کا ایک حصہ، ان دریاؤں میں اور بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیاں گرتی ہیں بس آگے جا کر دکھن میں مہاندی ایک ایسی ندی ہے جو ہے تو شمال کی ہی ایک بڑی ندی مگر ہمالیہ سے نہیں نکلتی۔

یہ تمام ندیاں پہاڑی ندیاں کہلاتی ہیں کیونکہ ان کا منبع وہ پہاڑی چشمے ہیں جو کبھی نہیں سوکھتے، پھر جیسے جیسے چھوٹی چھوٹی ندیاں ان میں ملتی جاتی ہیں، یہ بڑی ہوتی جاتی ہیں، اور پہاڑوں پر جب مون سون آتا ہے یا برف پگھلتی ہے تو ان ندیوں میں پانی بڑھ جاتا ہے، گرمی کے موسم میں گھٹ جاتا ہے۔

پہاڑ پر چشموں سے شفاف پانی کو ابلتے دیکھنا بڑا خوبصورت اور دلچسپ منظر ہوتا ہے چٹانوں یا جھاڑیوں میں کہیں کوئی چھوٹا سا سوراخ ہوتا ہے، اس سے نکل کر یہ چھوٹی سی دھار، ننھا سا چشمہ بن جاتی ہے، اکثر کئی چھوٹے چھوٹے چشمے گچھے کی طرح ہوتے ہیں اور پھر نکل نکل کر یکجا ہوتے ہوئے بہتے ہیں۔

غور سے دیکھو تو بڑی حیرانی ہوتی ہے کہ چٹانیں ان چشموں کے راستے میں ہوتی ہیں مگر پھر بھی یہ نیچے کو بہتے ہی جاتے ہیں، کبھی چٹان کا گھیرا لے کر نکل جاتے ہیں اور چٹان بیچ میں جزیرے کی طرح کھڑی کی کھڑی رہ جاتی ہے، کبھی چشمہ کا بہاؤ دور ہٹ جاتا ہے جیسے چٹان سے پہلو بچا کر نکل جانا چاہتا ہو، کبھی ملائم چٹان کو کاٹتا ہوا نکل جاتا ہے، جہاں مہاندی کئی قسم کے پتھروں اور چٹانوں سے گذرتی ہے وہاں اس طرح کے نمونے، بڑے خوبصورت دکھائی دیتے ہیں، ملک بھر کے تمام چشمے، کسی نہ کسی طرح سمندر تک پہونچ جاتے ہیں، چاہے اس سفر میں انہیں ایک ہزار میل ہی کیوں نہ چلنا پڑے۔

ہندوستان میں پہاڑوں دریاؤں کے علاوہ سینکڑوں برساتی ندیاں ہیں، جو دھارے کی ندیاں کہلاتی ہیں، دھارے کے معنی یہ ہیں کہ پانی ایک دم پھٹ پڑے، چاہے یہ پھٹ پڑنا، بادلوں کی وجہ سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے ہو۔

ہندوستان کی برساتی ندیاں، دامودر، مور، اور اجے کی شہرت کہانی سی بن گئی ہے ان دریاؤں سے بہت فائدہ بھی ہو سکتا ہے اور بہت نقصان بھی، جو لوگ ان کے کناروں پر رہتے ہیں، ان کی زندگی سے ان دریاؤں کا گہرا تعلق ہے۔ ایسی دریائیں ملک بھر میں پائی جاتی ہیں۔

خشک موسم میں تو یہ ایسی دکھائی دیتی ہیں کہ جیسے پھیلی ہوئی ریت پر پانی کی ایک پتلی سی دھار ہے جو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتی لیکن دراصل یہی ریت، ندی کا پیندا یا تہہ ہے کبھی کبھی یہ پتلی سی دھار اپنا رستہ بھی بدل دیتی ہے، جہاں سب سے زیادہ گہری ہوتی ہے وہاں شائد گھٹنوں تک آتی ہو، کہیں کہیں تو بس ٹخنے بھر کی ہوتی ہے!

چرواہے اپنے ریوڑ لئے، اس کے پیندے سے گذرتے ہیں، موٹریں، بیل گاڑیاں، پیدل چلنے والے بڑی آسانی سے اس پر چلتے ہیں، پک نک کرنے والے، صاف ستھری ریت پر کھانے پینے کی کھانے پینے کی چیزوں کی ٹوکریاں لئے بیٹھے ہنستے بولتے دکھائی دیتے ہیں، بچے کھیلتے کودتے ہیں۔

مگر ایسا کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے کیونکہ کبھی کبھار دریا کے اوپری حصوں میں اس

چھیچھلی ندی پار کرتے ہوئے چرواہے

وقت بارش ہوتی ہے۔ جبکہ پک نک کرنے والے ریت پر بیٹھے مزے کر رہے ہوتے ہیں اور پھر یکایک پانی کی سطح اونچی ہوجاتی ہے، ایک دم سے ہڑ ہڑ ہوتی ہے اور ریت پر جو لوگ یا جانور ہوتے ہیں وہ اگر فوراً نہ بھاگ لیں تو اس یکایک سیلاب میں بہہ جائیں، اس طرح پانی کے بڑھنے کو طغیانی کہتے ہیں۔

برسات کے موسم میں یہ سیدھی سادی ندیاں، گرجتی ہوئی چڑیلیں بن جاتی ہیں، تمام ریتیلی سطح، گدلی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجوں سے بھر جاتی ہیں جو اکثر کناروں سے بھی باہر اُبل اُبل پڑتی ہیں۔ نشیب میں اُگی ہوئی کھیتیاں اور بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ ان برساتی ندیوں میں سے بہت سی ندیاں اسی لئے، "دکھ کی ندیاں" کہلاتی ہیں۔

بہرحال ان سیلابوں سے کچھ فائدہ بھی ہے، یہ اپنے ساتھ مٹی بہا کر لاتے اور چھوڑتے جاتے ہیں جس سے نشیبی زمین کی سطح اونچی ہو جاتی ہے اور کناروں کی زمین بھی زیادہ زرخیز ہو جاتی ہے، مگر یہ فائدہ اس نقصان اور تباہی کے مقابلے میں بہت کم ہے جو ان سے پہنچ جاتا ہے، یہ بھی افسوس کی بات ہے کہ برسات کے موسم میں تو اتنا پانی بے کار جائے اور اسی ندی کی وادیوں میں، خشک موسم میں سوکھا پڑ جائے۔

ہزاروں سال سے ندیاں اپنی من مانی کر رہی ہیں، انھوں نے جان اور مال کا بے حد نقصان کیا، مغربی بنگال میں ایک ندی ہے، جس کو اجے کہتے ہیں، اس کا منبع چھوٹا ناگپور کے پہاڑوں میں ہے۔ اس کے نام ہی سے پتہ چلتا ہے کہ اس کو رام نہیں کیا جا سکتا، نسل بعد نسل، شاعر اس کے متعلق گیت لکھ رہے ہیں کہ یہ کتنی خوبصورت مگر کس قدر خوفناک ہے، آج تک جب لوگ اس کی ریت کو کھودتے ہیں تو کبھی کبھی قدیم کشتیوں کے نقشین حصے نکل آتے ہیں جو بالکل پتھر ہو گئے ہوتے ہیں، کبھی دیوتاؤں اور دیویوں کی مورتیاں جو دو ہزار سال سے بھی زیادہ پرانی ہوں، وہاں رہنے والوں کے زیور اور برتن۔ کوئی ایسی زبردست تباہی آئی ہو گی جس میں یہ لوگ ختم ہو گئے ہوں گے، ان کی بستیاں اجڑ گئی ہوں گی۔ اور اب وہ تباہی کسی کو یاد تک نہیں ہے!

اجے کے دونوں کناروں پر بڑی خوبصورت سرسبز کھیتیاں اور ہریالی ہے اور وہ بیچ میں سے بہتی ہوئی، بیربھوم کے اُوبڑ کھابڑ میدانوں سے گذرتی جاتی ہے۔ یہ علاقہ بنگال کا "چاول کا کٹورا" کہلاتا ہے، اس پر کشتیوں کے کئی پل ہیں جن کو آتی ہوئی طغیانی کے آثار نظر آتے ہی، جلدی جلدی الگ الگ کر دیا جاتا ہے، ریلوے کے پل بھی ہیں، جو بہت روپیہ خرچ کر کے بنائے گئے ہیں، یہ بڑا خوبصورت اور ترقی کرتا ہوا علاقہ ہے۔

مگر ہر دو چار سال بعد کھیتیاں برباد ہوتی تھیں، آنا جانا رک جانے کا خطرہ رہتا تھا یہاں تک کہ حکومتِ ہند نے اِن بے قاعدہ ندیوں کو قابو میں کرنے اور اس تباہی کو روکنے کا منصوبہ بنایا، اُجے، توان برساتی ندیوں میں سے صرف ایک ہے اور وہ بھی سب سے اہم نہیں ہے۔

دامودر ایک پرانی اور بہت دلچسپ برساتی ندی ہے۔ یہ بہار کے پہاڑوں کم پیٹ کے سلسلے سے نکلتی ہے، اس کا منبع چھوٹا ناگپور کے مسطح علاقے کے پہاڑی مرکز میں ہے۔ چونکہ کئی دھارے مل کر، بڑا دھارا بنتا ہے، اس لئے اس جگہ یہ دریا ایک ایسے کانٹے کی طرح ہے جس کے کئی پھل ہیں!

کوئی تیس میل تک بہنے کے بعد، ایک پہاڑی چشمہ، برکی گرہی، اس میں ملتا ہے یہ چشمہ ہزاری باغ ضلع سے بہہ کر آتا ہے، بعد کو پھر اور کئی چھوٹی چھوٹی دریائیں بھی دامودر میں آملتی ہیں، ان میں، براکر، سب سے بڑی ہے اور کوئلے کے پورے علاقے میں سے بہتی ہے۔

آخر کار دامودر جاکر روپ نارائن میں ملتی ہے اور پھر دونوں پانی مل کر ہگلی میں گرتے ہیں، خلیج بنگال سے کوئی ۱۱۲ کلومیٹر دور! دامودر کی لمبائی اپنے منبع سے لے کر روپ نارائن تک صرف ۵۲۸ کلومیٹر ہے۔

چونکہ دامودر میں برف کا پانی نہیں آتا، اس لئے وہ خشک موسم میں بالکل سوکھ جاتی ہے اور برسات میں ان کے سیلاب بڑی تباہی پھیلاتے ہیں ایک زمانے میں تو یہ سیلاب اتنے خطرناک نہیں ہوا کرتے تھے، دامودر کے نچلے دہانے پر امیر لوگ چھٹی بنانے، تفریح کرنے کے لئے مکانات بنواتے تھے، اس کی شاخوں پر آباد اور خوشحال شہر بسے ہوتے تھے، اس کو ایسی ندی کہا جاتا تھا جس پر کشتی چلے اور دریا بھر پر تجارت ہوا کرتی تھی۔

بعد کو سیلاب جلدی جلدی آنے لگے، ملیریا بڑھ گیا، دریا کی پرانی شاخوں، بنکا اور کنتی میں اتنی مٹی جمع ہو گئی کہ وہ تقریباً سوکھ گئی اور پرانی خوشحالی ختم ہو گئی۔

جب لوگوں کی کئی پشتیں، دکھ اور مصیبت بھگتتے گذر گئیں، تب کہیں لوگوں اور حکومت دونوں کی سمجھ میں آیا کہ سیلاب کو قابو میں کیا جائے گا تب ہی قحط کی مصیبت دور کی جا سکتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آزاد ہونے کے بعد ہندوستان نے اور کئی طرح کی مصیبتیں اور مشکلیں جھیلیں مگر کوئی بڑا قحط نہیں پڑنے دیا۔

بہت سے مغربی ملکوں کے برعکس، ہندوستان، زیادہ تر ایک زراعتی ملک ہے اور فصلوں کی تباہی اس پر منحصر ہوتی ہے کہ سال بھر تک کافی پانی ملتا رہے جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں پرانے زمانے سے ہمارے ملک کے بڑے بڑے حصوں کو زیادہ بارش کی وجہ سے نقصان پہونچتا تھا اور بیچ بیچ میں سوکھا پڑتا رہتا تھا، یہ بات تو لوگوں کو معلوم تھی کہ برسات کا فالتو پانی اگر کسی طرح جمع کیا جا سکے تو وہ گرمیوں میں کھیتوں کے کام آسکے اور مسئلہ حل ہو جائے مگر بدقسمتی سے وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ایسا کیسے کیا جائے اور ایسا کرنے کے ذریعہ بھی ان کے پاس موجود نہ تھے۔

لہٰذا وہ جو کچھ، تھوڑا بہت جانتے تھے، اس کو کام میں لانے کی کوشش کرتے تھے، نہریں کھودتے تھے کہ بڑی برساتی ندیوں سے پانی کی نکاسی کی جا سکے لیکن یہ بڑا بھاری اور مہنگا کام ہونے کے علاوہ فائدہ مند بھی صرف تھوڑے سے علاقے کے لئے ہو سکتا تھا، بڑے بڑے تالاب بنائے جا سکتے تھے، سیلاب کو روکنے کے لئے چھوٹے چھوٹے باندھ باندھے جا سکتے تھے مگر ملک بھر کے لئے کوئی منصوبہ بنانا ممکن نہ تھا۔

چنانچہ بڑے بڑے علاقے ان دریاؤں کے رحم و کرم پر تھے اور ظاہر ہے کہ ان دریاؤں کا کوئی بھروسہ نہ تھا، ملک بھر میں بہت سے ایسے حصے ہیں جہاں کی مٹی زرخیز ہے، مگر یہ علاقے سیلابی علاقے کہلاتے ہیں اس لئے نئے قسم کے پروجیکٹوں کی ضرورت دن بدن زیادہ محسوس ہوتی گئی۔

۹ - منصوبے اور پروجیکٹ

منصوبے اور پروجیکٹ میں یہ فرق ہے کہ منصوبے میں وہ تمام طریقے اور ذریعے لکھے جاتے ہیں، جن سے کوئی کام انجام پائے گا مگر پروجیکٹ اس کوشش کو کہیں گے جو اس منصوبے پر عمل کر کے اس کام کو پورا کرے۔ جب کسی منصوبے پر عمل ہونے لگتا ہے تو گویا پروجیکٹ شروع ہو جاتا ہے، تب ہی ایسی بہت سی مشکلیں سامنے آ کر کھڑی ہوتی ہیں جن کا منصوبہ بناتے وقت، اندازہ تک نہیں ہوتا۔

منصوبے بننے کے بعد جلد ہی یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ہندوستان کو فوراً جو قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے دریاؤں پر کنٹرول کیا جائے، دو وجہوں سے اس کی خاص ضرورت تھی، پہلے تو یہ کہ ہندوستان ایک زراعتی ملک تو ہے مگر اس کی صنعتوں کو بھی ترقی دینا ضروری ہے، دوسری ضروری بات یہ ہے کہ ہندوستان میں کچا مال اور معدنیات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

زراعت کی ترقی کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ سال بھر تک پانی ملتا رہے، زیادہ اور سستی اور کام آنے والی بجلی اس لئے ضروری ہے کہ صنعتی مشینیں اور کارخانے چل سکیں۔

منصوبے بنانے والوں اور انجینیروں نے یہ معلوم کیا کہ اگر ادھر اُدھر بھٹکتی ندیوں کو باندھا جا سکے اور ان سے بجلی پیدا کی جا سکے تو زراعت اور صنعت دونوں کی ترقی ہو سکتی ہے۔ پھر ان کاموں کے لئے زیادہ روپے کی ضرورت پڑی، کئی کئی سال کے منصوبے بنائے گئے اور ان کو جلدی جلدی پورا کیا جانے لگا۔

اس طرح ہندوستان میں دریاؤں کے لئے منصوبے بنائے گئے، ان منصوبوں میں شمالی ہندوستان میں دامودر وادی کارپوریشن، مہاندی کا ہیراکنڈ (پروجیکٹ) جس کا باندھ ۲۶ کلومیٹر لمبا اور اب تک دنیا کا سب سے لمبا باندھ ہے، اور ستلج پر بھاکڑا ننگل وغیرہ ہیں۔

اس میں پانچ بجلی گھر کام کرتے ہیں جو برابر کے طاقتور ہیں، آخری بجلی گھر کا افتتاح، ابھی حال ہی میں، ستلج کے دہنے کنارے پر ہوا ہے۔ خود بھاکڑہ پر ایک بندھ ہے جو ستلج کے آر پار باندھا گیا ہے۔ اس کی اونچائی ۲۲۶ کلومیٹر ہے۔ یہ دنیا کا سب سے اونچا باندھ ہے اور یوں سمجھو کہ قطب مینار سے تین گنا اونچا ہے!۔

کڑہ ننگل

ننگل پر ایک باندھ ۲۹ میٹر اونچا ہے اور ۶۴ کلومیٹر لمبا بجلی کا پائپ ہے، بھاکڑا، گنگووال، اور کاٹلا پر بجلی گھر ہیں، پھر ان میں سے اور نالیاں پائپ وغیرہ ہر طرف جاتے ہیں جو ناپے جائیں تو ہزاروں میل ہوں گے۔

کئی پروجیکٹ اور بھی بن رہے ہیں یا تقریباً بن چکے ہیں، ان میں گنگا کا فراکا براج اور دریائے کوسی کا پروجیکٹ ہیں، جو بہار اور اتر پردیش کو فائدہ پہونچائیں گے، پھر اتر پردیش میں ریہانڈ، راجستھان اور مدھ پردیش میں چمبل پروجیکٹ وغیرہ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

ان کے علاوہ کچھ اور چھوٹی چھوٹی کوششیں ہیں جیسے بیر بھوم میں میسور کاشی پروجیکٹ ہے۔

ان تمام منصوبوں اور پروجیکٹوں کا مطلب و مقصد کم و بیش ایک ہی ہوتا ہے، اینٹوں کنکروں اور سیمنٹ کی دیواریں دریاؤں کے بیچ میں کھڑی کر دی جاتی ہیں، ان دیواروں میں تالے ہوتے ہیں، جو پھاٹکوں میں لگے رہتے ہیں۔ برسات میں یہ دیواریں کافی پانی کو روک لیتی ہیں، گرمیوں میں یہ پانی، اُن تالے دار پھاٹکوں کو کھول کر آہستہ آہستہ جاری کیا جاتا ہے، اس طرح سال بھر تک پانی ایک ہی طرح تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ قاعدے کے مطابق، بندھوں کے پاس پانی اکٹھا کرنے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ جن کو ریزروائر کہتے ہیں، کبھی کبھی پہاڑوں کے گھیروں سے ہی ملا کر اور اینٹ، پتھر سیمنٹ وغیرہ کی دیواریں بنا کر ایک تالاب سا یا ریزروائر بناتے ہیں جو قدرتی ہوتا ہے، کبھی پورے کا پورا ریزوائر خود ہی بنانا پڑتا ہے۔ پانی جمع کرنے کے ان بڑے بڑے تالابوں یا ریزروائروں میں بھی تالے والے پھاٹک ہوتے ہیں، ان ہی کو کھول کر نہروں میں پانی جاری کیا جاتا ہے۔

امودر گھاٹی منصوبہ

جہاں باندھ باندھا جاتا ہے وہ جگہیں بڑی خوبصورت بن جاتی ہیں، وہاں ڈاک بنگلے، لان، باغ اور رسٹ ہاؤس بنائے جاتے ہیں، لوگ سیر کرنے آتے ہیں اور تالاب، باندھ اور دریا کا منظر ایسا شاندار ہوتا ہے کہ کسی جھیل کا کنارہ بھی کیا ہوگا۔

ان پروجیکٹوں میں سے جو بڑے بڑے ہیں، ان میں پیدا ہونے والی بجلی شہروں اور دیہاتوں کے وسیع علاقوں تک پہونچتی ہے، کارخانوں فیکٹریوں اور گھروں میں کام آتی ہے۔ ان پروجیکٹوں سے ہمارے ہزاروں غریب دیہاتی بھائی بہنوں کو روزگار ملتا ہے۔

برسات کے زمانے میں، یہ باندھ، پانی کو اِدھر اُدھر پھیل کر برباد نہیں ہونے دیتے،

اور نہ ہی دیہات میں بہہ کر کھیتوں کو تباہ کرنے دیتے ہیں۔ جمع کیا ہوا یہ پانی، گرمیوں کے موسم میں کھیتی اور دوسرے کاموں میں لایا جاتا ہے۔

جو لوگ یا افسران پانی کے ذمہ دار ہوتے ہیں، ان کو ایک اور بھی مشکل یہ رہتی ہے کہ خشک موسم میں اگر پانی زیادہ کھولدیا جائے تو بجلی بننے میں گڑبڑ ہونے لگتی ہے اور اگر کم کھولا جائے تو وہ اس جگہ کی کھیتی باڑی کے لئے کافی نہیں ہوتا۔

ان تمام باتوں کو سوچ سمجھ کر کام کرنا اور مشکلوں کو حل کرنا ہوگا فی الحال تو اتنا ضرور ہے کہ اب سیلاب کم ہوگئے ہیں اور جو ہوتے بھی ہیں تو اتنے خطرناک نہیں ہوتے۔ وقت گذرنے پر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ تمام وہ ندیاں جو مشکلیں پیدا کرتی ہیں ہمارے قابو میں آجائیں گی۔

10- دریا اور انسان

کئی سال گذرے میں شانتی نکیتن کے پاس کوپائی ندی پر پک نک کرنے گئی تھی، یہ ندی بڑی خوبصورت ہے، ویسے اصل میں یہ پوری ندی ہے بھی نہیں، بلکہ ایک چشمہ ہے جو پیلی ریت کے دو پتلے پتلے کناروں کے بیچ میں، روڑوں کنکروں پر بہتا ہے، اس کا پانی اتنا شفاف ہے کہ ہمیں اس کا پیندا اور پیندے میں پڑے کنکر پتھر، اندر اگی ہریالی، گھاس پات اور تیرتی ہوئی ننھی ننھی مچھلیاں سب صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

پھر ہم نے دور سے خوشی کے نعرے اور آوازیں سنیں اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مردوں عورتوں اور بچوں کا ایک بڑا سا غول چشمے کی اوپر کی طرف جا رہا ہے۔ بعض پانی میں بھی چل رہے تھے کیونکہ کہیں کہیں پانی چھچھلا تھا، ٹخنوں تک اور کہیں کہیں، گہرا تھا کمر تک!

جب یہ غول قریب آیا تو ہم نے دیکھا کہ وہ مقامی قبائلی لوگ تھے، سب پانی میں شرابور، بڑے مزے میں قہقہے لگا رہے تھے، نوجوان اور ذرا بڑے بچے تو دریا ہی میں چل رہے تھے حالانکہ بہاؤ کافی تیز تھا۔ ان سب کے پاس مچھلی پکڑنے کے جال، لوہے کی چھلنیاں پرانی بالٹیاں اور ٹوکریاں تھیں، ان ٹوکریوں کے پیندوں میں بڑے بڑے چھید تھے، اس طرح کی ٹوکریوں کو "پولو" کہتے ہیں اور یہ مچھلی پکڑنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ ٹوکری کو مچھلی کے ایک پورے جھول پر ایک دم الٹ دیا جاتا ہے۔ کچھ مچھلیاں اندر پکڑ جاتی ہیں۔ پھر چھید میں سے اندر ہاتھ ڈالا، تڑپتی ہوئی ایک مچھلی نکل آئی۔

بوڑھے مرد، کم عمر بچے اور تمام جوان اور بوڑھی عورتیں، کنارے کنارے، پانی میں چلنے

شانت کو پانی

ڈالوں کے برابر برابر چل رہے تھے، جو مچھلی پکڑی جاتی وہ اس کنارے یا اس کنارے اچھال دی جاتی۔ وہ لوگ اس پر جھپٹ پڑتے، اس کا گلا دبا دیتے اور پھر ایک بڑی سی ٹوکری میں ڈال دیتے، کتنی لوگوں کے سروں پر دیسی بڑی بڑی ٹوکریاں رکھی ہوئی تھیں۔

بڑے بڑے بچوں کے پاس بھالے اور چھوٹے چھوٹے ڈنڈے تھے جن سے وہ پانی کے کنارے لگی جھاڑیوں کو کھدیرتے اور بار بار ان جھاڑیوں میں سے بڑے بڑے جھینگے جھڑ پڑتے جنھیں وہ مچھلی والی ٹوکریوں سے ملا دیتے۔

اس طرح وہ پانی کے ساتھ ساتھ بہاؤ کے اوپر کی طرف چلتے جاتے، ہنستے، بولتے

کیچڑ میں اپنے پیروں کے نشان چھوڑتے، ہم نے کنارے پر چلنے والی بڑھیوں میں سے ایک سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ سب پانی کے اتار کی طرف دیہات میں سے ایک گاؤں کے رہنے والے ہیں، سچ مچ ایسا لگتا تھا کہ گود کے بچوں سمیت، سارا ہی گاؤں نکل آیا تھا شاید کچھ ہی رہ گئے ہوں گے جو بہت بیمار یا بہت بوڑھے رہے ہوں — آج ان لوگوں کا مچھلی پکڑنے کا سالانا تہوار تھا!

"مگر تم لوگ اتنی سب مچھلیاں کیا کرو گے؟" ہم نے پوچھا۔ ایک بڑھیا نے حیران ہو کر کہا "کیوں؟ سب مل کر کھائیں گے، دن بھر کا شکار" موہل" (گاؤں کا چودھری) کے پاس لے جائیں گے، وہ گاؤں کے سب گھروں میں تقسیم کرے گا جتنی جس گھر میں ضرورت ہو۔ نہ تو کوئی ایسا ہو گا جسے حصہ نہ ملے اور نہ کسی کو ضرورت سے زیادہ ملے گا، ہم کو پانی کے کنارے بسنے والے

ڈلو سے مچھلی پکڑنا

لوگ ہیں۔" اور یہ کہہ کر وہ تیزی سے اپنے ساتھیوں سے جا ملی جو ذرا آگے نکل گئے تھے!

ہمارے لئے یہ ایک ایسا تجربہ تھا جسے ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔

جیسے جیسے شہر بڑھتے ہیں، ان کی حدیں پھیلتی جاتی ہیں، ان کے مضافات میں بستیاں بستی جاتی ہیں، ویسے ویسے دریاؤں کے کنارے اور جنگلوں میں رہنے والے لوگ اور پیچھے کھسکتے جاتے ہیں، ان کے گھومنے پھرنے کے لئے زمین کم ہوتی جاتی ہے۔

دریاؤں کی یادوں کو بیش قیمت سمجھنا چاہئے!

کئی سال ہوتے ہیں کہ ہم لوگ دریائے ودیارتھی پر سفر کرنے گئے تھے، ودیارتھی کسی زمانے میں بہت گہری تھی اور گنگا میں گرتی تھی۔ اب دریائے ودیارتھی صرف نام کو رہ گئی ہے اس میں اتنی مٹی جم گئی ہے کہ پانی تیز بہہ ہی نہیں سکتا۔ گنگا سے ایک نہر کاٹ کر اب اسی کے ذریعہ کشتیوں کا آنا جانا ہوتا ہے۔

ودیارتھی پر وہ مچھیرے رہتے ہیں جن کے باپ دادا صدیوں سے ودیارتھی کے کنارے رہتے چلے آئے ہیں۔ اس وقت سے جبکہ آس پاس کا تمام علاقہ جنگلوں سے بھرا تھا اور اس میں چیتے گھوما کرتے تھے۔ ان ہی مچھیروں نے ایک کوآپریٹو فشری (جہاں مچھلیاں پالی جاتی ہیں، اس کو مچھلیوں کا فارم بھی کہتے ہیں) بنائی تھی ہم لوگ اسی فشری کو دیکھنے گئے تھے۔

دفتر کی نئی عمارت کے علاوہ ہمیں کچھ پرانی بستیاں بھی دکھائی دیں، ایک پرانا مندر بھی تھا جو اب تو خالی رہتا ہے مگر کسی زمانے میں بھگوان رائے یعنی چیتوں کے خدا کے نام پر تھا کیونکہ سمجھا جاتا تھا کہ وہی انسان کو بچاتے ہیں۔ یہ علاقہ چیتوں کا تھا۔

مچھلیوں کی یہ نرسریاں اچھی بنی ہوئی تھیں، بیچ بیچ میں بندھ تھے جو مختلف عمر کی مچھلیوں کے تالابوں کو الگ الگ کرتے تھے، ان میں ایسی مچھلیاں بھی تھیں جو ابھی ابھی انڈے سے نکلی تھیں

ے سر پر مچھلی کی ٹوکریاں لیجاتے ہوئے

اور ایسی بھی جو پوری عمر کی تھیں، جس دن ہم لوگ گئے تھے اس روز کچھ طوفان آنے کے آثار تھے، جب ہم مچھلیاں پکڑنے والی کشتی میں بیٹھ کر ان تالابوں کو دیکھنے گئے، تو ہم نے یہ غور کیا کہ مچھلیاں بھی بے چین ہیں اور بار بار ہوا میں اونچی اونچی اچھل رہی ہیں۔ کبھی کبھی وہ ہماری گود میں اور ہماری کشتی میں آ گرتیں، ہم انھیں پکڑ کر پھر پانی میں پھینک دیتے۔ میں نے دیسی مچھلی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

بندھوں کے اوپر سے کشتی کو کھینچنا پڑتا تھا۔ بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ہم میں سے کچھ لوگ اتر جاتے اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں کھڑے رہتے، آخر کار ہم وہاں پہونچے جہاں پانی سب سے زیادہ گہرا تھا مچھلیاں پوری پوری اور بڑی بڑی تھیں، ہر ایک چار چار پانچ پانچ کلوگرام یا اس سے بھی زیادہ ہی ہو

اس جگہ کئی جزیرے بھی تھے، چھپر پڑے ہوئے بہت سے جھونپڑے، ان جزیروں پر ہوئے تھے، ان ہی میں یہ مچھیرے رہتے ہیں۔ تمام چیزیں صاف ستھری اور چمکتی ہوئی ... ہوا تھا

ے سر پر مچھلی کی ٹوکریاں لیجاتے ہوئے

اور ایسی بھی جو پوری عمر کی تھیں، جس دن ہم لوگ گئے تھے اس روز کچھ طوفان آنے کے آثار تھے، جب ہم مچھلیاں پکڑنے والی کشتی میں بیٹھ کر ان تالابوں کو دیکھنے گئے، تو ہم نے یہ غور کیا کہ مچھلیاں بھی بے چین ہیں اور بار بار ہوا میں اونچی اونچی اچھل رہی ہیں۔ کبھی کبھی وہ ہماری گود میں اور ہماری کشتی میں آگرتیں، ہم انھیں پکڑ کر پھر پانی میں پھینکدیتے۔ میں نے دیسی مچھلی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

بندھوں کے اوپر سے کشتی کو کھینچنا پڑتا تھا۔ بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ہم میں سے کچھ لوگ اتر جاتے اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں کھڑے رہتے، آخر کار ہم وہاں پہونچے جہاں پانی سب سے زیادہ گہرا تھا۔ مچھلیاں پوری پوری اور بڑی بڑی تھیں، ہر ایک چار چار پانچ پانچ کلوگرام، یا اس سے بھی زیادہ ہی ہو

اس جگہ کئی جزیرے بھی تھے، چھپر پڑے ہوئے بہت سے جھونپڑے، ان جزیروں پر ہوئے تھے، ان ہی میں یہ مچھیرے رہتے ہیں۔ تمام چیزیں صاف ستھری اور چمکتی ہوئی

کرتا برتن۔ سب لوگ خوش بھی نظر آرہے تھے، یہ اُن کی اپنی فشری تھی، سب کا اس میں برابر کا حصہ تھا۔ ان کے آبا و اجداد بھی اسی طرح زندگی بسر کرتے تھے پھر وہ کیوں نہ کرتے۔

انہوں نے ہم سے اصرار کیا کہ اُن کے جزیرے پر ایک گھنٹہ ٹھہر کر آرام کریں، ہم کو مٹی کے چھوٹے چھوٹے کلھڑوں میں راب سے میٹھی کی ہوئی، خوشبودار چائے پلائی، تازی مچھلی تل کر کھلائی، پھر ہم لوگوں کو روانہ ہونا پڑا ——— یہ بھی ایک ایسا تجربہ تھا جسے ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔

ہندوستان بھر میں چھوٹی چھوٹی ندیاں اور چشمے ہیں اور دریاؤں کے نام بھی بڑے پیارے پیارے ہیں۔ کاپوتا کاشی، یعنی کبوتر آنکر۔ انچھامتی۔ یعنی آرزوؤں کا چشمہ، وغیرہ۔

یہ ندیاں ہماری زندگی سے الگ کوئی چیز نہیں ہیں، پشتہا پُشت سے، انہیں ہماری قوم کی زندگی اور ہماری جنتا کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ وہ ان میں نہاتے ہیں، ان کا پانی پیتے ہیں اور ان کے پانی سے بھرے ہوئے گھڑے، دُور دُور تک، اپنے گھر لے جاتے ہیں، اس پانی سے اپنا کھانا پکاتے، اپنے مندر سجاتے ہیں اور اس کی پاکیزگی سے اپنے گھروں اپنے جسموں اور اپنی روحوں کو بنائے رکھتے ہیں۔

سمجھ

کے تالا